ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
فروری ۱۹۸۴ء

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال ووظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کردیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال، جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

Adarts LA-1/81

فون: 616001 سے 616005 (۵ لائنیں)

مجلسِ ادارت

صدر مجلس حکیم محمد سعید
مُدیر اعلا مسعود احمد برکاتی
مدیرۂ اعزازی سعدیہ راشد

جمادی الاوّل ــ ۱۴۰۴ ہجری
فروری ــ ۱۹۸۴ عیسوی
جلد ــ ۳۲
شمارہ ــ ۲

قیمت فی شمارہ ــ ۳ رُپے
سالانہ ــ ۳۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۶۶ رُپے

پتا: ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

قرآنِ حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

مشورہ بڑی اچھی چیز ہے۔ اس کے بہت سے فائدے ہیں۔ کوئی آدمی کتنا ہی بڑا اور عقل مند ہو مشورے کا محتاج ہوتا ہے۔ کوئی آدمی ہر بات نہیں سوچ سکتا۔ ایک معاملے کے بعض پہلو کسی کی سمجھ میں آتے ہیں اور دوسرے پہلو کسی اور آدمی کی سمجھ میں۔ مشورے سے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں اور آدمی معاملے کو پوری طرح سمجھ سکتا ہے، اس لیے مشورہ کرنے کی عادت بڑی اچھی عادت ہے۔

بعض لوگ مشورہ نہیں کرتے۔ جو بات خود اُن کی سمجھ میں آجائے بس اُسی پر عمل کرتے ہیں۔ بعض لوگ تو اِس حد تک اپنے کو عقل مند سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اُن کو بغیر مانگے مشورہ دے تب بھی اس پر کان نہیں دھرتے۔ ایسے لوگ اصل میں اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ جو شخص مشورہ دے رہا ہے اُس کا مشورہ نہ مانا جائے تو اُس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ نقصان اُس شخص کا ہوتا ہے جو مشورہ نہ مانے۔ اس لیے ہر اچھی بات پر توجہ دینے اور ہر اچھے مشورے کو قبول کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

قرآنِ حکیم نے بھی مشورہ کرنے کی ہدایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے معاملات میں مشورہ کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشورہ فرمایا کرتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ بعض وقت تو اپنی ذاتی رائے کے خلاف اپنے ساتھیوں یعنی صحابۂ کرام کے مشورے پر عمل فرماتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ سے بڑھ کر تو دنیا میں کوئی اور ہستی نہیں۔ جب آپ مشورہ کرتے تھے تو ہماری کیا حیثیت، ہمیں تو ضرور مشورہ کرنا چاہیے اور ہمارا کوئی بزرگ، دوست، ہمدرد جو مشورہ دے اُس پر غور کرنا چاہیے۔ خاص طور پر بزرگوں کے مشورے پر تو ضرور توجہ کرنی چاہیے۔ اُن کے تجربات بڑے کار آمد ہوتے ہیں۔

تمہارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

* حضرت علیؓ

جاہل کی بات پر تحمل عقل کی زکوٰۃ ہے۔

مرسلہ: فرحت شکور، کوئٹہ

* حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

انسان کو دریا کی طرح سخی، سورج کی طرح شفیق اور زمین کی طرح نرم ہونا چاہیے۔ مرسلہ: پرویز عالم رضا، سکھر

* امام غزالی

تین چیزیں انسان کو تباہ کر دیتی ہیں: حرص، حسد اور غرور۔ مرسلہ: تنویر احمد ڈار، بھلوال

* بقراط

حسد، حاسد کو اس کی موت سے پہلے ہی مار دیتا ہے۔

مرسلہ: نگہت شکور، کوئٹہ

* گوتم بدھ

صبر سب سے بڑی دُعا ہے۔

* قائدِ اعظم

ہمیں نا اُمید، مایوس اور پست نہیں ہونا چاہیے۔

مرسلہ: تنویر احمد راڑ، بھلوال

* ارسطو

لگن کے بغیر کسی میں اعلا درجے کی ذہانت پیدا نہیں ہو سکتی۔

* شیکسپیئر

دلوں کو فتح کرنے کے لیے تلوار کی نہیں عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرسلہ: فرحت شکور، کوئٹہ

* ہنری فورڈ

وہ آدمی بوڑھا ہے جو علم حاصل کرنا بند کر دے، چاہے اس کی عمر ۲۰ سال ہو یا ۸۰ سال۔

* مولانا ابوالکلام آزاد

خلوص سدا بہار ہوتا ہے۔ مرسلہ: روبینہ جمیل، کراچی

* جارج ہربرٹ

اپنے دوستوں کے انتخاب میں بہت ہوشیاری سے کام لو، کیوں کہ دوست زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔

مرسلہ: عابد حسین شیرازی، کراچی

* ایڈولف ہٹلر

ناقابلِ اعتماد دوستوں سے تنہائی بہتر ہے۔

مرسلہ: سعید احمد لنگڑی، کراچی

* حکیم محمد سعید

اگر تمھارا دشمن بھی تم سے علم حاصل کرنا چاہے تو اس کو بھی علم سے محروم نہ کرو۔ مرسلہ: شہناز خانم، حیدر آباد

فیاضی کی روشن مثال

سردار علی صابری

سیدنا حضرت امام حسنؓ مدینہ منورہ میں کہیں جارہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا اور تیز دھوپ۔ راستے میں ایک خوش نما اور شاداب باغ نظر آیا۔ آپ آرام کے خیال سے اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک قوی ہیکل حبشی غلام کام کاج سے فارغ ہو کر گھنے درخت کے سائے میں پیٹ کی آگ بجھانے بیٹھا ہے۔ ہاتھ میں جَو کی ایک سوکھی روٹی ہے اور سامنے ایک کتّا۔ حبشی نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر منھ میں رکھا۔ بھوکے کتّے نے اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ حبشی نے دوسرا ٹکڑا کتّے کے سامنے ڈال دیا۔ غرض یہی سلسلہ جاری رہا۔ حبشی غلام ایک ٹکڑا خود کھاتا تھا اور دوسرے ٹکڑے سے اپنے ناخواندہ مہمان (کتّے) کی تواضع کرتا۔ حضرت امام حسنؓ کو یہ واقعہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ جَو کی ایک سوکھی روٹی بھاری بھرکم حبشی ہی کا پیٹ بھرنے کو ناکافی تھی، لیکن وہ بھی اس نے تنہا نہ کھائی اور ایک کتّے کو شریک کر لیا۔

سیدنا حضرت امام حسنؓ نے آگے بڑھ کر حبشی سے پوچھا "تم صبح سے دوپہر تک باغ میں شدید محنت کے بعد خود کیوں بھوکے رہے اور جَو کی ایک روٹی میں کتّے کو کیوں شریک کر لیا؟"

حبشی نے جواب دیا:

"یہ ایک روٹی میرے لیے یقیناً کافی نہیں ہے، لیکن جب میں کھانے بیٹھا اور کتّے نے میری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تو میرا دل کُڑھا اور میری غیرت گوارہ نہ کر سکی کہ میں خود تو کھاؤں اور یہ بے زبان منھ دیکھتا رہے۔"

حضرت امام حسنؓ نے پوچھا "تمھارے مالک کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟" حبشی

نے اپنے مالک کا نام و نشان بتا دیا۔ حضرت امام حسنؓ نے پوچھا، "میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو اور جب تک واپس نہ آؤں کہیں جانا نہیں۔"

حبشی نے انتظار کا وعدہ کیا اور حضرت امام حسنؓ اس باغ کے مالک کے ہاں تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ کا ایک معزز شہری تھا۔ اس نے رسول اللہؐ کے نواسے کی تشریف آوری کو باعثِ فخر سمجھا اور مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ تھوڑی دیر گفت گو کے بعد حضرت امام حسنؓ نے پوچھا کہ شہر کے باہر مشرقی حصّے میں جو ایک بڑا سا خوش نما باغ ہے، کیا وہ آپ ہی کی ملکیت ہے؟ مالک نے عرض کیا، "جی ہاں۔" حضرت امام حسنؓ نے پوچھا، "اور وہ حبشی غلام جو باغ کی نگرانی اور سیرابی کے لیے متعین ہے کیا آپ ہی کا غلام ہے؟" مالک نے بتایا کہ جی ہاں، وہ میرا ہی غلام ہے۔

حضرت امامؓ نے فرمایا، "میں باغ اور غلام دونوں کو خریدنا چاہتا ہوں۔ خریداری کی ضرورت شدید ہے۔ جو قیمت چاہیں ادا کر دوں گا۔" آپ کے حکم سے کون انکار کر سکتا تھا اور پھر حضرت امام حسنؓ منھ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار تھے اور آپ کی فیاضی کی داستانیں بچے بچّے کی زبان پر تھیں۔ سودا کیوں نہ طے ہوتا۔ مالک کو وہ قیمت مل گئی جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی اور حضرت امام حسنؓ نے باغ اور غلام دونوں کو خرید لیا۔ اس کے بعد سیدنا حضرت امام حسنؓ دوبارہ باغ تشریف لائے۔ غلام اپنے کام میں مصروف تھا۔ آپ نے حبشی کو آواز دی۔ وہ قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمھارے مالک کے ہاں گیا تھا۔ وہیں سے واپس آ رہا ہوں۔ میں نے تمھیں بھی خرید لیا اور اس باغ کو بھی۔

حبشی غلام نے اپنے آقا کو ادب سے سلام کیا اور اپنی وفاداری اور خدمت گزاری کا یقین دلاتے ہوئے عرض کیا، "کیا میں اپنے نئے آقا کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟"

حضرت امام حسنؓ نے فرمایا، "میرا نام حسنؓ ابنِ علیؓ ہے۔" حبشی غلام نے حضرت امام پاک کا نام کیا سُنا کہ دِل کی کلی کِھل گئی۔ محبوبِ خدا کے محبوب نواسے کی خدمت گزاری سے بڑھ کر دین و دنیا میں اور کیا شرف ہو سکتا ہے۔ حبشی نے عقیدت سے آپ کی عَبا کے دامن کو چوم کر عرض کیا، "یا فرزندِ رسولؐ! آپ کی خدمت گزاری کو میں دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بناؤں گا۔" حضرت امام پاک نے فرمایا:

"تمھارے پاس پیٹ بھرنے کے لیے جَو کی صرف ایک روٹی تھی۔ اس میں بھی تم نے ایک

بے زبان کو شریک کر لیا اور خود بھوکے رہے۔ میں تمھاری اس خدا ترسی اور رحم دلی سے بہت متاثر ہوا ہوں اور تم کو اللہ کی راہ میں آزاد کر کے یہ باغ تمھیں بہ طور انعام دے رہا ہوں۔"

ایک غریب حبشی غلام کو برسوں کی غلامی کے بعد آزادی ملی تھی اور وہ ایک عالی شان قیمتی باغ کا مالک ہو گیا تھا۔ جتنی خوشی بھی ہوتی کم تھی، لیکن ایک غریب حبشی کی سیر چشمی ملاحظہ ہو کہ وہ حضرت امام حسنؓ کے قدموں پر گر کے عرض کرتا ہے:

"جس اللہ نے اپنے فضل و کرم سے میری غلامی کی زنجیریں کاٹی ہیں اور جس اللہ کی خوشنودی کے لیے آپ نے مجھے آزادی کی نعمت اور اس قیمتی باغ کی ملکیت عطا فرمائی ہے اُس اللہ کی راہ میں شکر کے طور پر میں اس باغ کو غریب اور مسکین مسلمانوں کی امداد کے لیے وقف کرتا ہوں۔"

(صابری صاحب کا یہ مضمون زبان آسان کر کے اخبار جنگ کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔)

****

اقوالِ زرّیں

★ اپنی بہتری کا خیال نہ کرو بلکہ خدا کی خوشنودی کو افضل سمجھو۔ — حضرت عیسیٰؑ

★ اس دنیا میں نیک چلنی کا راستہ دوسری دنیا میں نجات کی سڑک ہے — حضرت عیسیٰؑ

★ ولادت موت کی قاصد ہے۔ — حضرت علیؓ

★ اگر تم چاہو تو اپنے خیالات کو بدل کر اپنی زندگی بہتر بنا سکتے ہو۔ — آسکر وائلڈ

★ سب سے بہتر وراثت جو آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑی جا سکتی ہے وہ اچھا چال چلن اور بلند کردار ہے۔ — گرو نانک جی

★ قوت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ — ذوالفقار علی بھٹو

★ میں صداقت کا اس طرح پیچھا کرتا ہوں جس طرح ایک شکاری کتا شکار کا پیچھا کرتا ہے۔ — سقراط

★ میرا یقین ہے فکر مندی انسانی زندگی کی دشمن ہے۔ — شیکسپیئر

مرسلہ: سید مظہر علی، شہداد پور

پانچ اہم دن

کراچی میں ۱۴ دسمبر کو ایک بہت بڑی اور اہم کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس میں پاکستان بھر کے ممتاز عالم، پروفیسر، قانون داں اور ادیب و صحافی شریک ہوئے اور ایک بہت اہم مسئلے پر اپنے خیالات ظاہر کیے۔ یہ مسئلہ تھا "تصوّرِ ریاست اسلامی"۔ گویا پاکستان کے بہترین دماغوں نے یہ غور کیا کہ اسلامی ریاست کیا ہوتی ہے؟ اس کی اہم خصوصیات کیا کیا ہیں؟ موجودہ حالات میں اسلامی ریاست کے تقاضے کیا ہیں؟

اس کانفرنس کی جس کا نام "مذاکرۂ ملّی تعلیماتِ نبوی" تھا، ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کا افتتاح کسی بڑے آدمی نے نہیں کیا، اس لیے کہ یہ کانفرنس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر تھی۔ یہ کانفرنس پانچ دن جاری رہی۔ یہ پانچ دن بہت اہم تھے، کیوں کہ ۱۴ سے ۱۸ دسمبر ۸۳ء تک سارے ملک سے آئے ہوئے دانش ور یکجا تھے اور آپس میں مشورہ اور تبادلۂ خیالات کر رہے تھے۔

اسی دوران میں ۱۵ دسمبر ۸۳ء کو مدینۃ الحکمت کا سنگِ بنیاد بھی رکھا گیا۔ جناب حکیم محمد سعید نے ایک بہت بڑا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ گویا ایک شہر ہوگا جس میں کئی بڑے بڑے ادارے ہوں گے۔ ایک بڑی لائبریری، کئی تعلیمی ادارے جو بعد میں یونی ورسٹی کی شکل اختیار کر لیں گے، اسلامی تحقیقات کا ایک بڑا مرکز، باغ نباتات اور کئی دوسرے ادارے مدینۃ الحکمت کا حصّہ ہوں گے، جس کے لیے ہمدرد نے ۲۶۰ ایکڑ زمین منگھوپیر، کراچی سے کوئی سات میل کے فاصلے پر خریدی ہے۔ سنگِ بنیاد رکھنے میں بھی ایک جدّت کی گئی۔ عام طور پر کسی عمارت کا سنگِ بنیاد کسی ایک بڑے آدمی سے رکھوایا جاتا ہے۔ جناب حکیم محمد سعید نے جدّت یہ کی کہ دُنیاوی لحاظ سے کسی بڑے آدمی کے بجائے علمی لحاظ سے کوئی ڈیڑھ سو بڑے بڑے آدمی بُلائے اور اُن میں سے ہر ایک سے ایک ایک اینٹ رکھوائی اور ان کے نام خوب صورت سنگِ مرمر پر لکھوا کر لگوا دیے۔

یہ کانفرنس اور مدینۃ الحکمت کا سنگِ بنیاد ایک تاریخی واقعہ ہے۔

ایک طوفانی رات میں

میرزا ادیب

رات تاریک اور سرد تھی۔ صبح سویرے مینھ برسنا شروع ہو گیا تھا اور مسلسل دو بجے تک برستا رہا تھا۔ شہر کے نشیبی حصّوں میں جا بجا پانی جمع ہو گیا تھا جس سے لوگوں کو آنے جانے میں خاصی دِقّت پیش آ رہی تھی۔

بارش کے ساتھ تیز ہوا کے جھونکے بھی چلے تھے، اس لیے قریب قریب آدھے شہر کی بجلی بند ہو گئی تھی اور گھروں میں لالٹینیں اور موم بتّیاں جل رہی تھیں جن کی ہلکی اور مدھم روشنی میں گھر والے اپنے چھوٹے چھوٹے کام کر رہے تھے۔

اس رات ایک محلے کے ایک چھوٹے سے مکان کے اندر راشد دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے اوپر دیوار کے ساتھ جو لالٹین لٹک رہی تھی اس کی روشنی کمرے کے ایک مختصر سے حصّے پر پڑ رہی تھی۔

راشد اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا اور نویں جماعت کا طالبِ علم تھا۔ اس کی امّی محلے کے لوگوں کے کپڑے سی کر گھر کے اخراجات پورے کر لیتی تھی۔ راشد کے ابّا جی اُس وقت فوت ہو گئے تھے جب اس کی عمر سات سال تھی اور وہ دوسری جماعت میں پڑھتا تھا۔

نو بج گئے تھے۔ اس کی امّی عام طور پر دس بجے کے بعد سوتی تھیں، مگر اس رات اُن کی طبیعت قدرے خراب تھی، اس لیے ساڑھے آٹھ بجے ہی سو گئی تھیں۔ اگر گھر میں بجلی کی روشنی ہوتی تو راشد اپنی عادت کے مطابق کوئی نہ کوئی کتاب پڑھتا اور کتاب پڑھتے پڑھتے سو جاتا، لیکن خاطر خواہ روشنی نہ ہونے کی وجہ سے کسی کتاب کا مطالعہ اس کے لیے مشکل تھا اور چوں کہ اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی اس لیے کرسی پر بیٹھا کتابوں کے بارے میں یا دوستوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ ایسی باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ یکایک اُسے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ یہ واقعہ کئی سال پہلے اُسے اُس کی امّی نے سُنایا تھا۔

اس کی امّی نے بتایا تھا کہ "ایک سرد اور طوفانی رات کو بجلی بند ہو گئی تھی۔ گھر میں کوئی لالٹین بھی نہیں تھی کہ اُسے جلا کر روٹی وغیرہ تیار کر لیتی۔ اندھیرا بہت زیادہ تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ تم اپنی خالہ کے گھر گئے ہوئے تھے اور گھر میں کھانے کے لیے روٹی کا ایک سوکھا ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ مجھے کھانے سے زیادہ تمھاری فکر ستا رہی تھی کہ کہیں مجھے اپنے پاس نہ پا کر رو نہ رہے ہو۔ ایک مرتبہ میں نے گھر سے باہر نکلنے کی کوشش کی کہ خود تمھاری خالہ کے ہاں جا کر تمھیں دیکھ آؤں یا اپنے ساتھ لے آؤں، مگر جیسے ہی پاؤں دروازے کے باہر رکھا میرا سارا گھٹنا پانی کے اندر چلا گیا۔ اس حالت میں باہر جانا میرے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔

میں بڑی پریشان بیٹھی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں اُدھر گئی تو آواز آئی، "بہن جی! آپ کو کوئی دِقّت تو نہیں۔ کوئی کام ہو تو بتائیے میں حاضر ہوں۔"

میں سخت پریشان تھی۔ اسے بتا دیا کہ میرا بیٹا اپنی خالہ کے ہاں نہ جانے کس حال میں ہے۔ اس کی بڑی فکر ہے۔"

اس شخص نے میری بہن کا پتا پوچھا اور چلا گیا۔ میں اس کی شکل نہ دیکھ سکی۔ لالٹین تو اس کے ہاتھ میں ضرور تھی، مگر اس کی روشنی زمین پر پڑ رہی تھی۔

وہ اجنبی شخص چلا گیا۔ آدھے گھنٹے کے بعد دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں دروازے پر گئی۔ وہی آواز آئی:

"بہن جی! آپ کا بیٹا آپ کی بہن کے ہاں گہری نیند سو رہا ہے۔ آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔ لگتا ہے آپ کھانے پینے کا انتظام نہیں کر سکیں۔ کچھ لے آیا ہوں اور لالٹین بھی اپنے پاس ہی رکھ لیں۔ میں آسانی سے چلا جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے لالٹین دروازے پر رکھ دی اور اس کے ساتھ رومال میں لپٹی ہوئی کوئی شے بھی۔ اب کے بھی میں نہ تو اس کی صورت دیکھ سکی اور نہ پوچھ سکی کہ اچھے بھائی آپ کون ہیں۔ کہاں رہتے ہیں۔ آپ کی لالٹین کہاں واپس کی جائے۔"

یہ تھا واقعہ جو راشد کی امّی نے اسے سُنایا تھا اور اس رات یہ واقعہ اپنی ساری تفصیل کے ساتھ اسے یاد آگیا تھا۔

دروازے کے پاس لالٹین جل رہی تھی اور بادل بڑے زور سے گرج رہا تھا۔ بجلی چمکتی تھی تو کمرے کے سامنے والی دیوار ایک لمحے کے لیے روشن ہو جاتی تھی۔ اس نے سوچا "وہ رات بھی ایک ایسی ہی طوفانی رات ہو گی اور جس طرح میں جاگ رہا ہوں اس رات امّی بھی جاگ رہی تھیں۔

"کیا آج رات بھی دروازے پر دستک ہو گی۔" اس نے سوچا "نہیں، اب ایسا نہیں ہو گا، کیوں کہ نہ تو امّی بھوکی سوئی ہیں اور نہ میں بھوکا رہ کر جاگ رہا ہوں۔ ہمیں کوئی فکر بھی نہیں ہے۔"

اس نے اپنے سوال کا خود ہی جواب دیا۔

اسی وقت اُس کی نظر اوپر گئی۔ ایک اور سوال اس کے ذہن میں آگیا۔ کیا یہی وہ لالٹین ہے جو اس رات اجنبی نے امّی کو دی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہی ہو، کیوں کہ امّی اس کی بڑی حفاظت کرتی ہیں۔ بجلی چلی جائے تو موم بتّی جلا کر کام چلا لیتی ہیں۔ یہ لالٹین عام طور پر نہیں جلاتیں۔"

"تو آج کیوں جلائی ہے؟" راشد نے خود سے سوال کیا۔

"ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ رات بھی اُس رات جیسی طوفانی ہے۔ اور امی کو خیال ہو کہ شاید وہ اجنبی اپنی لالٹین لینے کے لیے آجائے اس لیے اسے جلا رکھا ہے۔" رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی اور راشد کے ذہن میں کئی سوالات آ آ کر اسے بے چین کر چکے تھے۔ آخر میں ایک ایسا سوال آیا کہ وہ کرسی سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ یہ سوال یہ تھا کہ کہیں یہ لالٹین بے کار تو نہیں جل رہی۔ ہو سکتا ہے جس طرح اُس رات میری ماں میری طرف سے فکر مند تھیں اور بھوکی بیٹھی تھیں میرے محلے میں کہیں کوئی ایسا گھر بھی ہو جس میں کوئی شخص ضرورت مند ہو اور اس کی ضرورت کے پورا ہونے کا امکان نہ ہو۔"

کئی منٹ ٹہلنے کے بعد اس نے ایک ارادہ کر لیا۔ وہ دبے پاؤں امی کے پاس گیا۔ اس نے سمجھا تھا کہ امی گہری نیند سو رہی ہیں، مگر اس وقت اس نے دیکھا کہ ان کی آنکھ کُھل گئی ہے اور وہ اسے دیکھ رہی ہیں۔

"کیوں راشد بیٹا! کیا بات ہے، سوئے نہیں ابھی تک؟"

"نہیں امی! نیند نہیں آ رہی۔"

امی بیٹھ گیئں۔

"نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟" انھوں نے فکر مندانہ انداز میں پوچھا۔

راشد نے بتایا، "امی! اس رات مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا ہے۔ وہ واقعہ امی! جس میں ایک اجنبی شخص نے آپ کی مدد کی تھی۔ آپ کو کھانا لا کر دیا تھا اور یہ لالٹین بھی دے دی تھی۔"

"ہاں بیٹا! دنیا میں ایسے نیک لوگ بھی ہوتے ہیں۔ کوئی فرشتہ تھا اللہ کا۔ میں جان ہی نہ سکی کہ کون ہے اور کون نہیں ہے۔"

راشد دو تین لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا، "امی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہمارے آس پاس کوئی ایسا گھر بھی ہو جسے کسی مددگار کی ضرورت ہو؟"

امی نے راشد کو بازو پھیلا کر گود میں لے لیا، "ہو سکتا ہے بیٹا۔"

"مجھے اجازت دیں امی! میں لالٹین لے کر باہر جاؤں، اور کسی کو میری ضرورت ہو

تو اس کی مدد کر دوں۔"

امّی سوچ میں پڑ گئیں۔

"امّی! سوچیے نہیں۔ آپ نے فرمایا ہے دنیا میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں۔ امّی آپ کا بیٹا ان نیک لوگوں میں شامل ہونے کی کوشش کیوں نہ کرے۔"

امّی نے اس کے جواب میں بیٹے کے سَر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، "جاؤ بیٹا! لالٹین لے جاؤ۔ اللہ تمھاری حفاظت کرے گا۔"

چند لمحے گزرے ہوں گے کہ راشد لالٹین کی مدھم روشنی میں ایک کچے راستے پر آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہا تھا۔

اُس وقت تک وہ جہاں جہاں سے گزرا تھا اس نے بہترے گھروں میں روشنی دیکھی تھی۔ گھروں کے اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں بھی سُنی تھیں۔ اپنے محلے سے نکل کر وہ دوسرے محلّے میں چلا گیا۔ پھر ایک گلی کے اندر جا رہا تھا کہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں کوئی روشنی نہیں تھی۔

"ان مکانوں کے اندر لوگ نہیں رہتے؟"

یہ سوال دو تین بار اس کے دل میں آیا اور اپنی لالٹین کی روشنی میں اُس نے ایک دروازے پر دستک دے دی۔

"کون ہے؟" ایک ایسی آواز آئی جو کسی بوڑھے آدمی کی معلوم ہوتی تھی۔

"جی میں ہوں۔"

"میں کون؟"

"جی راشد!"

پھر کئی منٹ خاموشی میں گزر گئے۔ آخر دروازہ کھُلا۔ راشد نے اپنے سامنے ایک کم زور اور نحیف و نزار بوڑھے کو دیکھا۔

"کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"جناب! رات طوفانی ہے۔ ایسی رات میں گھر سے باہر نکلنا ذرا مشکل ہے۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیے۔"

اس لمحے بوڑھے نے جُھک کر راشد کو دیکھا، "اگر ایسا ہے تو مجھے بازار سے کچھ کھانے کے لیے لا دو۔ اللہ تمھارا بھلا کرے گا۔"

"ضرور لادوں گا جناب! مجھے ایک دُکان کا علم ہے جو ساری رات کُھلی رہتی ہے۔"

"بڑی مہربانی۔ یہ لو پیسے۔ میرے لیے ایک بند کافی ہو گا۔" بوڑھے نے کُرتے کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"نہیں بابا جی! میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ آپ کے لیے بَند خرید سکوں۔" یہ کہہ کر راشد چل پڑا۔

راشد نے سُن رکھا تھا کہ ہسپتال کے پاس دو تین ایسی دُکانیں ہیں جو ساری رات کُھلی رہتی ہیں۔ ایک دُکان میں بسکٹ وغیرہ فروخت ہوتے ہیں۔ یہ دُکانیں وہاں سے کافی دُور تھیں۔ کیچڑ میں چلنا ویسے بھی مشکل تھا اور اندھیری رات میں تو یہ کام کٹھن تھا۔ راشد ایک بار گر بھی پڑا، مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ وہاں ایک دُکان سے اس نے ایک بَند مکھن اور کچھ بسکٹ خریدے اور واپس چلنے لگا۔ آدھ

پونے گھنٹے کے بعد وہ بوڑھے کے دروازے پر آ گیا۔
"لیجیے بابا جی!"
"شکریہ میرے بیٹے! اللہ تیرا بھلا کرے۔"
بوڑھا راشد کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ راشد کو چارپائی پر بٹھایا اور خود کھانے لگا۔ جب پیٹ بھر گیا تو کہنے لگا، "بیٹا! یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔"
"کون سی بات بابا جی؟"
"بیٹا! آج سے کئی برس پہلے میں نے بھی ایسی ہی ایک طوفانی رات کو ایک عورت کے لیے کھانے کا انتظام کیا تھا۔"
"تو آپ....؟" راشد فقرہ مکمل نہ کر سکا۔ اسے سخت حیرت ہوئی تھی۔
وہ اُٹھ بیٹھا۔
"بابا جی! کوئی اور خدمت؟"
"نہیں بیٹا! بہت بہت شکریہ۔"
راشد دروازے سے نکلنے لگا۔
"ارے بیٹا! لالٹین تو لیتے جاؤ۔" بوڑھے نے راشد کو لالٹین لیے بغیر جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔
"بابا جی! یہ لالٹین آپ ہی کی ہے۔" اور راشد نے ساری بات سُنا دی۔
بوڑھے نے لالٹین اُٹھالی۔
"بیٹا! میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ بیمار بھی رہتا ہوں۔ یہ لالٹین تم جیسے نوجوانوں کے لیے ہے جو اس قسم کی نیکی بہ آسانی کر سکتے ہیں۔ لے جاؤ بیٹا! مجھ سے زیادہ تمھیں اس کی ضرورت ہے۔"
راشد لالٹین لے کر گھر آیا اور اپنی امّی کو یہ قصّہ سُنایا تو انھوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا:
"اللہ تیرا شکر ہے تو نے میرے بیٹے کو نیکی کا کام کرنے اور احسان چُکانے کی توفیق دی۔"

مگر فساد خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جِلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خُون کی صفائی اور جِلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

لوئی بریل - اندھوں کو روشنی دینے والا

ڈاکٹر سہیل برکاتی

لوئی بریل (LOUIS BRAILLE) ۴ جنوری ۱۸۰۹ء کو فرانس کے ایک گاؤں کوپ ورے میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ چمڑے کا کام کیا کرتا تھا۔ جب بریل تین سال کا ہوا تو ایک حادثے کے نتیجے میں اس کی بینائی چلی گئی۔ ہوا یوں کہ وہ اپنے باپ سائمن کے کارخانے میں بیٹھا ہوا کھیل رہا تھا۔ اس نے ایک بڑی سی کیل کو ہتھوڑے سے ٹھوکنا شروع کیا۔ اصل میں وہ اپنے باپ کی نقل کر رہا تھا۔ یکایک وہ کیل اُچھلی اور اس کی آنکھ میں گھُپ گئی۔ ڈاکٹروں نے حتی الامکان کوشش کی، مگر بریل کی آنکھ نہ بچائی جاسکی۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی دوسری آنکھ کی بینائی بھی چلی گئی اور وہ مکمل طور پر اندھا ہو گیا۔

اس دَور میں نابینا لوگ بڑی مشکل سے زندگی گزارتے تھے۔ عموماً دوسرے افراد اُن کی کفالت کیا کرتے تھے۔ اُن کو لکھنا پڑھنا یا تو سرے سے سکھایا ہی نہیں جاتا تھا اور اگر کوئی اپنی کوششوں سے کچھ سیکھ بھی لیتا تو وہ اس قابل نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس سے کچھ فائدہ اُٹھا سکیں۔

بریل وقت کے ساتھ ساتھ ہر بات بھولتا گیا کہ شکلیں کیسی ہوتی ہیں؟ رنگ کیسے ہوتے ہیں؟ اس کے باپ نے اسے ایک چھڑی دے دی تھی۔ جس کو پکڑ کر وہ اپنے گھر میں گھومتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی وہ گھر سے باہر بھی نکل جاتا تھا۔ شروع شروع میں گاؤں کے بچّوں نے اس کے ساتھ کھیلنا چاہا، مگر اکثر کھیل ایسے ہوتے تھے جن میں بریل ان کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ لہٰذا بچّے اُسے اکیلا چھوڑ دیتے اور خود کھیل میں مصروف ہو جاتے۔ بریل ایسے موقع پر بالکل تنہا رہ جاتا۔ بڑے لوگ آتے تو وہ بریل کو پیار کرتے اور اس پر رحم کھاتے۔ بریل کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ کوئی اُس پر ترس کھائے۔

ایک دن گاؤں کا پادری بریل کے گھر آیا اور اس نے بریل کے باپ سائمن کو بتایا کہ پیرس میں ایک ایسا اسکول ہے جہاں اندھے بچّے پڑھتے اور لکھتے ہیں۔ سائمن نے جب اپنے بیٹے بریل سے پوچھا کہ آیا وہ اس اسکول میں جانا چاہے گا تو بریل فوراً راضی ہو گیا۔

یہ اسکول اندھوں کا پہلا اسکول تھا۔ اس میں نابینا بچّوں کو پڑھنا لکھنا اور موسیقی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ان کو فنّی قسم کے کام بھی سکھائے جاتے تھے۔ اس طرح جب نابینا بچّے اس اسکول سے نکل جاتے تھے تو عملی دنیا میں انھیں ٹھوکریں نہیں کھانی پڑتی تھیں بلکہ وہ اپنی کفالت خود کر لیا کرتے تھے۔

جب بریل اُس اسکول میں داخل ہوا تو اس کی عمر دس سال کی تھی۔ شروع شروع میں اسے وہاں کا ماحول پسند نہیں آیا، مگر کچھ دن بعد اس کی دوستی ایک اور طالبِ علم گوتھیر سے ہو گئی۔ اب بریل کا دل اسکول میں لگ گیا اور وہ زیادہ دل جمعی سے پڑھنے لگا۔

اندھے بچّوں کے پڑھنے کے لیے خصوصی کتابیں ہوتی تھیں جن کے صفحے کاغذ کے بجائے کارڈ بورڈ کے ہوتے تھے۔ جن پر لفظ اُبھرے ہوئے تھے۔ نابینا بچّے اپنی انگلیوں سے اُن الفاظ کو چھُو چھُو کر پڑھا کرتے تھے۔ لوئی بریل نے بہت جلد پڑھنا سیکھ لیا۔ اس کے علاوہ اس نے موسیقی کی تعلیم میں بھی مہارت حاصل کر لی اور جلد ہی پیانو بجانا سیکھ گیا۔ وہ خالی اوقات میں اپنے کپڑے بھی خود سی لیا کرتا تھا۔

یونہی تین سال بیت گئے۔ ایک بار فرانسیسی فوج کا ایک افسر اسکول کے معائنے کے لیے آیا۔ ان کے کپتان نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس کے ذریعہ سے فوج کے سپاہی جو سرحدوں پر متعین ہوتے تھے ایک دوسرے کو پیغامات بھیجا کرتے تھے۔ اُن جگہوں پر چوں کہ اندھیرا ہوا کرتا تھا اس لیے اس نئے طریقے کی مدد سے سپاہی چھُو چھُو کر پیغامات پڑھا کرتے تھے۔

اسکول کے پرنسپل نے فیصلہ کیا کہ یہ طریقہ اندھے طالبِ علموں کے لیے استعمال کیا جائے، مگر طلبہ کو یہ طریقہ خاصا مشکل لگا۔ لوئی بریل اسکول کے ذہین طالبِ علموں میں سے تھا۔ اُس نے اِس طریقے کو بہتر بنانے کے لیے غور کرنا شروع کیا۔

وہ فرصت کے وقت بیٹھا اسی طریقے کو بہتر بنانے کے بارے میں سوچتا رہتا۔ اکثر دوسرے بچے رات کو سو جاتے، مگر بریل جاگتا رہتا اور کام کرتا رہتا۔ اس کا دوست گوتھیر حتی الامکان اس کی مدد کرتا۔ بریل رات میں صرف چند گھنٹے سوتا۔ وہ دُبلا اور کم زور ہوتا گیا۔ کبھی کبھی اس پر مایوسی طاری ہو جاتی، مگر پھر بھی وہ ہمت نہیں ہارا۔

آخر ۱۸۲۴ء میں بریل نے اس طریقے کو اور بہتر بنا کر نابینا افراد کے پڑھنے کے قابل بنا دیا۔ اُس وقت بریل کی عمر پندرہ سال تھی۔ یہ طریقہ خاصا سادہ تھا۔ اس میں چھے نقطوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ یہ نقطے بہت بڑے بڑے نہیں تھے بلکہ چھوٹے چھوٹے سے تھے اور انھیں انگلیوں کے ہلکے سے دباؤ سے محسوس کیا جا سکتا تھا۔ ان چھے نقطوں کو بریل نے مختلف طریقوں سے ترتیب دیا تھا اور ہر خاص ترتیب کسی حروف کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ مثلاً حرف اے (A) کے لیے ایک نقطہ، حرف بی (B) کے لیے دو نقطے، اور اسی طرح دوسرے حروف کے لیے بھی نقطوں کا استعمال کیا گیا۔ نقطوں کی تعداد کے علاوہ ان کی ترتیب بھی پیشِ نظر رکھی گئی۔ اس طریقے کا امتحان لینے کے لیے بریل کے اُستادوں نے عبارت بول کر اس سے لکھوائی۔ بریل نے اس طرح نقطے بنائے اور آخر میں پوری عبارت فر فر سُنا دی۔ اس نے ایک بھی غلطی نہیں کی تھی۔ ہر شخص حیران اور خوش تھا۔

اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بریل نے فیصلہ کیا کہ وہ اسی اسکول میں پڑھاتا رہے گا۔ اس کے ایجاد کردہ نظام کا نام بھی بریل پڑ گیا۔ اسے دوسرے اسکولوں میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔

اپنی عمر کے آخری حصے میں لوئی بریل دق کا مریض ہو گیا اور آخر ۱۶ جنوری ۱۸۵۲ء کو اس کا انتقال ہو گیا، مگر اس نے نابینا افراد کے لیے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ رہتی دنیا تک اسے زندہ رکھے گا۔ بریل کے نظام سے آج بھی دنیا کے لاکھوں نابینا افراد فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور آنکھوں میں روشنی نہ ہونے کے باوجود علم کی روشنی اُن تک پہنچ رہی ہے۔

بارش کا پہلا قطرہ

اسماعیل میرٹھی

گھنگھور گھٹا تُلی کھڑی تھی / پَر بوند ابھی نہیں پڑی تھی
ہر قطرے کے دل میں تھا یہ خطرہ / ناچیز ہوں میں غریب قطرہ
کیا کھیت کی میں بجھاؤں گا پیاس / اپنا ہی کروں گا ستیاناس
آتی ہے برسنے سے مجھے شرم / مٹی، پتھر تمام ہیں گرم
خالی ہاتھوں سے کیا سخاوت / پھیکی باتوں میں کیا حلاوت
کس برتے پر میں کروں دلیری / میں کیا ہوں، کیا بساط میری
ہر قطرے کے دل میں تھا یہی غم / سرگوشیاں ہو رہی تھیں باہم
کھچڑی سی گھٹا میں پک رہی تھی / کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی
اِک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور / ہمّت کے مُحیط کا شناور
فیاض و جواد و نیک نیّت / بھڑکی اس کی رگِ حمیّت
بولا للکار کر کہ آؤ / میرے پیچھے قدم بڑھاؤ
کر گزرو جو ہو سکے کچھ احسان / ڈالو مُردہ زمین میں جان
یارو، یہ ہچر مچر کہاں تک / اپنی سی کرو بنے جہاں تک
مِل کر جو کرو گے جاں فشانی / میدان پہ پھیر دو گے پانی
کہتا ہوں یہ سب سے بَرملا میں / آتے ہو تو آؤ لو چلا مَیں
یہ کہہ کے وہ ہو گیا روانہ / دشوار ہے جی پہ کھیل جانا
ہر چند کہ تھا وہ بے بضاعت / کی اُس نے مگر بڑی شجاعت
دیکھی جرات جو اُس سخی کی / دو چار نے اور پیروی کی
پھر ایک کے بعد ایک لپکا / قطرہ قطرہ زمین پہ ٹپکا
آخر قطروں کا بندھ گیا تار / بارش لگی ہونے موسلا دھار
پانی پانی ہوا بیاباں / سیراب ہوئے چمن خیاباں

تھی قحط سے پائمال خلقت
اُس مینھ سے ہوئی نہال خلقت

تحفے

مسکراتے جملے ــــ عظیم اقوال ــــ انوکھے نکتے ــــ دِل چسپ تحریریں

لکھنے کے قابل

مرسلہ: سید فرحت حسین

ایک صاحب اس فکر میں دُبلے ہوتے جارہے تھے کہ آخر کیا ترکیب کی جائے جس سے اُن کا نام اَمر ہو جائے۔ اس فکر کو چہرے پر طاری کیے جب وہ اپنے فلسفی اُستاد کے سامنے پہنچے تو اس نے اُداسی کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے افسردگی سے جواب دیا، "اُستادِ محترم! آپ کا نام تو ہمیشہ زندہ رہے گا، لیکن میں اپنا نام کس طرح زندہ رکھوں؟"

فلسفی استاد نے جواب دیا، "کوئی ایسی چیز لکھو جو لوگ پڑھیں اُسے یاد رکھیں!"

اُداس شاگرد نے بے بسی سے عرض کیا، "اگر یہ کام میرے بس کا نہ ہو تو؟"

فلسفی نے جواب دیا، "تب پھر کوئی ایسا کام کرو جو ہمارے لکھنے کے قابل ہو۔"

اقوالِ زرّیں

مرسلہ: عمر دراز خان خٹک، ٹنڈو محمد خان

★ زیادہ خاموش رہنے سے رعب اور انصاف سے ہمدردی کرنے والے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔

★ احسان سے عزت بڑھتی ہے۔

★ تواضع سے خدا کی نعمتیں پوری ہوتی ہیں۔

★ خوش کرداری سے دشمن زیر ہوتا ہے۔

★ کسی ایسی بات پہ اپنے آپ کو بدگمان نہ کرو جس سے کوئی اچھا پہلو بھی نکلتا ہو۔

لقب

مرسلہ: صدف ناز، کراچی

ایک دن امیر تیمور دربار لگائے بیٹھا تھا۔ درباری ادب سے اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے تھے۔ بادشاہ نے خلفائے بغداد کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان کے القابات بڑے پُرشکوہ ہوتے تھے مثلاً مستنصر باللہ، واثق باللہ، معتصم باللہ اور متوکل باللہ وغیرہ، میں چاہتا ہوں کہ میں بھی کوئی اس قسم کا لقب اختیار کروں۔ چناں چہ درباریوں نے اپنی سمجھ کے مطابق القابات تجویز کیے۔ جب مُلّا نصر الدین کی باری آئی تو انھوں نے جان کی امان پاتے ہوئے عرض کی:

"ناچیز کے خیال میں حضور کا لقب "نعوذ باللہ" بہت موزوں رہے گا۔"

★

بڑا کتب خانہ

مرسلہ: عقیل احمد، ماڈل کالونی

اگر آپ ایک بڑے کتب خانے کے مالک ہیں اور اس کی ساری کتابیں آپ کے علم میں ہیں تو اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امیر ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ آپ مفکّر بھی ہوں۔ آپ کے بڑے کتب خانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ بہت سے آدمیوں کی فکری خدمات حاصل کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ ——— علامہ اقبال

زبان

مرسلہ: عروج فاطمہ، حیدرآباد

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ میرے لیے دنیا کا بہترین کھانا تیار کراؤ۔ وزیر نے زبان پکوا کر پیش کی۔ بادشاہ نے کہا اچھا اب دنیا کا بد ترین کھانا بھی تیار کراؤ۔ وزیر نے پھر زبان پکوا کر پیش کی۔ بادشاہ اس پر بہت حیران ہوا تو وزیر نے کہا، "زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ زبان سے انسان اعلاترین درجات حاصل کر سکتا ہے اور زبان سے ہی ذلّت کی گہرائیوں تک جا سکتا ہے۔"

خوش فہمی

مرسلہ: محمد طارق جان، مردان

زندگی محض ایک خوش فہمی نہیں کہ جس طرف قدم اُٹھائیں منزل کی نوید پائیں۔ بے سوچے سمجھے قدم اُٹھانے والے اکثر تباہی کے گڑھے میں گرتے ہیں۔

ریاضی

مرسلہ: سعید خالق، گڑھی اختیار خاں

افلاطون ریاضی کو اس قدر اہم سمجھتا تھا کہ اُس نے ایتھنز میں واقع اپنی اکیڈمی کے سامنے کے دروازے پر یہ الفاظ کندہ کرائے:

"جو شخص ریاضی نہیں جانتا اندر نہ آئے۔"

کرنیں

مرسلہ: مظہر الحق، راولپنڈی

★ بڑے لوگ اپنے آپ کو بڑا نہیں کہتے اور نہ بڑا بول بولتے ہیں۔ ہیرا کب کہتا ہے کہ میری قیمت لاکھوں رُپے ہے۔

★ ایک بہترین دوست سو بار بھی روٹھ جائے تو سو بار منالو، کیوں کہ موتیوں کی مالا جتنی بار ٹوٹتی ہے، موتی اتنی ہی بار چُن لیے جاتے ہیں۔

★ زندگی کے گلشن سے صرف پھول چننے کی تمنا نہ کرو، بلند ظرف ہو تو بڑھ کر کانٹوں کو تھام لو۔

★ اپنے عیبوں کا اعتراف اور کم زوریوں کا احساس روح کا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔

★ خوشی کے پھول سے زیادہ پیار نہ کرو۔ اس کی پنکھڑیوں سے غموں کا رس ٹپکنے لگتا ہے۔

★ اتنے شیریں اور میٹھے بھی نہ بنو کہ مکّھیاں کھا جائیں۔

★ زندگی میں اگر مشکلات برداشت کر لی جائیں تو پختہ کاری آجاتی ہے۔

★ کردار ایسا ہیرا ہے جو پتھّر کو کاٹ سکتا ہے۔

مفت

مرسلہ: اسلم، حیدر آباد

ایک سرکس کمپنی نے شہر میں اعلان کرایا کہ سرکس دیکھیے، داخلہ مفت ہے۔ یہ سنتے ہی لوگ دوڑے ہوئے آئے اور سرکس دیکھنے جمع ہو گئے۔ جب سرکس ختم ہوا تو سرکس والوں نے باہر نکلنے کے تمام دروازے بند کر دیے۔ سرکس کے مینجر نے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا۔ خواتین و حضرات! سرکس میں داخلہ مفت تھا، لیکن باہر جانا مفت نہیں، اس لیے آپ پانچ پانچ رُپے دے کر باہر تشریف لے جا سکتے ہیں۔

چند پھول

مرسلہ: جمیل احمد خاں، عقیل احمد خاں، کراچی

★ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمان کی یہ بھی ایک خوبی ہے کہ تمام بے کار، فضول اور بے ضرورت باتوں سے احتراز کرے۔

★ شاہ ولی اللہؒ

جس انسان میں خود داری نہیں وہ سب کچھ ہے، لیکن انسان نہیں۔

★ ڈاکٹر محمود حسین

جو طالبِ علم اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے محنت مزدوری کرتا ہے وہ اُن طالبِ علموں سے زیادہ قابلِ قدر ہے جن کے والدین اُن کی تعلیم کا خرچ برداشت کرتے ہیں۔

★ گرونانک

جو گناہ کا مرتکب ہو اُسے انسان سمجھو۔ جو گناہ کر کے شرمندہ ہو اُسے ولی سمجھو اور جو گناہ کر کے اِترائے اسے شیطان جانو۔

★ نامعلوم

بہت سے لوگ محض اس لیے ترقی نہیں کرتے کہ وہ مشکل کام اور ناموافق حالات سے گھبراتے ہیں۔

★ ماؤزے تنگ

موت سے مت ڈرو، موت ہی اصل زندگی ہے۔

توبہ کے تین اجزا

مرسلہ: سرفراز درانی، راول پنڈی

ایک دفعہ کسی شخص نے جنید بغدادیؒ سے توبہ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ توبہ کے لیے تین باتیں ہونی چاہییں۔ اوّل ندامت، دوم اس بات کا پکّا ارادہ کہ آئندہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے، سوم ماضی میں کیے ہوئے گناہوں کے کفارے کا خیال۔

ایک واقعہ

مرسلہ: عظمٰی زبید، ملیر کالونی

دو مرغ اپنے رہنے کی جگہ کے لیے بہت شدّت سے لڑ رہے تھے۔ آخر ایک نے دوسرے کو بھگا دیا۔ ہارا ہوا مرغ اپنا سر ایک کونے میں گھسا کر دُبک گیا۔ فتح مند مُرغ اُڑ کر دیوار پر جا بیٹھا، اپنے پَر پھڑپھڑائے اور فتح کی خوشی میں بانگ دی۔ اتنے میں ایک عقاب

اس پر جھپٹا اور اپنے پنجے میں پکڑ کر لے گیا۔ ہارے ہوئے مُرغ نے فوراً کونے سے نکل کر اس کی جگہ پر قبضہ جمالیا۔

نئے موسم

مرسلہ: خالد رانا، کراچی

استاد: (شاگرد سے) سال میں کتنے موسم ہوتے ہیں؟

شاگرد: چار

استاد: کون کون سے؟

شاگرد: الیکشن، ہڑتال، کھیل، امتحان۔

کس کا نام لینے والا

مرسلہ: ساجد محمود، لانڈھی کراچی

ایک سخی عورت اُمِّ جعفر جس راستے سے گزرتی تھی اس پر بیٹھے ہوئے دو اندھے صدا لگایا کرتے تھے۔ ایک کی صدا تھی: "الٰہی، مجھے اپنے فضل و کرم سے روزی عنایت کر۔" دوسرا کہا کرتا تھا: "الٰہی، اُمِّ جعفر کا بچا ہوا مجھے بھی ملے۔"

اُمِّ جعفر فضلِ خدا طلب کرنے والے کو دو درہم اور اپنے نام لیوا کو ایک بُھنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر بھیج دیا کرتی۔ یہ اندھا اپنی مُرغی دو درہم کے بدلے دوسرے اندھے کے ہاتھ بیچ ڈالتا۔ دس روز تک ایسا ہوتا رہا۔ گیارہویں دن اُمِّ جعفر نے اپنے نام لیوا اندھے سے کہا کہ تجھ کو ہمارا فضل یعنی سو دینار نہیں ملے؟" جواب دیا، "مجھے تو ایک مرغی ملا کرتی تھی۔ جسے میں اپنے اندھے دوست کے ہاتھ دو درہم میں بیچ ڈالتا تھا۔"

اُمِّ جعفر نے کہا، "خدا کے فضل کا طلب کرنے والا کامیاب اور آدمیوں کے فضل کا طلب گار محروم ہے۔"

قاتل کا سراغ

مرسلہ: صبیحہ عزیز، اجمیر (ہندُستان)

شیر شاہ سوری کے زمانے میں ایک عورت کے شوہر کو کسی نے جنگل میں قتل کر دیا۔ وہ عورت شیر شاہ سوری کے دربار میں حاضر ہوئی اور فریاد کرنے لگی۔ شیر شاہ نے دریافت کیا، "تم نے متعلقہ حکّام کو بتایا؟" اس عورت نے جواب دیا، "کوئی شنوائی نہ ہوئی اور جواب ملا کہ جنگل میں قتل ہوا ہے اس لیے مجرم کو پکڑنا مشکل ہے، لہٰذا آپ کی خدمت میں آئی ہوں۔" شیر شاہ نے سادہ لباس میں کچھ لوگوں کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ جس جگہ قتل ہوا ہو وہاں کے درخت کاٹے جائیں اور جو بھی حکومت کا کارکن پوچھ گچھ کرنے آئے اُس کو پکڑ کر لے آؤ۔" یہی ہوا، جب اعتراض کرنے والے کارکن دربار میں لائے گئے تو شیر شاہ نے اُن سے کہا کہ یہاں جب ایک انسان کا قتل ہوا کسی کو اطلاع نہیں ہوئی، لیکن اب وہیں معمولی درخت کاٹے گئے تو فوراً اطلاع ہو گئی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان کو حکم دیا کہ تین دن کے اندر اگر مجرم حاضر نہ کیا گیا تو ان لوگوں کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تیسرے روز مجرم کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔
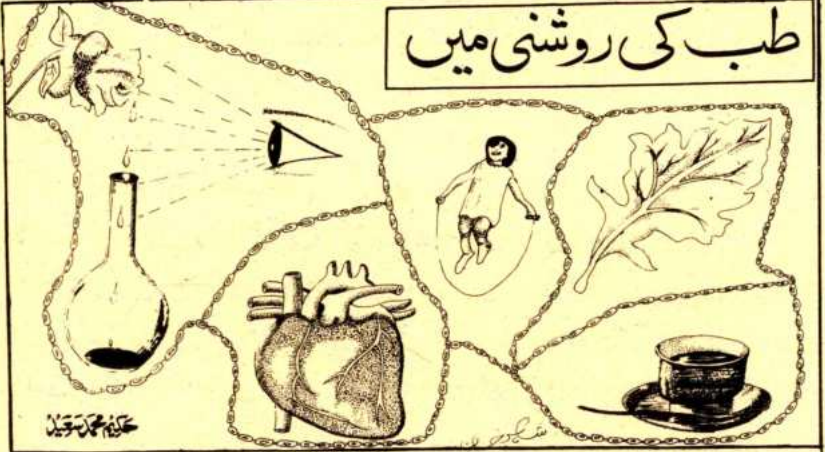
طِب کی روشنی میں جو نونہال سوالات بھیجتے ہیں وہ اپنا پورا پتا ضرور لکھیں۔ بغیر پتے کے خطوط کے جوابات دینے کے ہم پابند نہیں ہیں۔ سوالات کے ساتھ پتا ہو تو ڈاک سے بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ جو نونہال ڈاک سے جواب نہیں چاہتے وہ بھی اپنا پتا ضرور لکھیں، لیکن خط میں یہ لکھ دیں کہ صرف رسالے میں جواب دیا جائے، تو ان کو ڈاک سے جواب نہیں بھیجا جائے گا بلکہ رسالے ہی میں جواب شائع کیا جائے گا، چاہے کتنا ہی وقت لگے۔

آنکھوں میں سوجن

س: میری آنکھیں بچپن سے سوجی ہوئی ہیں۔ آخر کیوں؟ عامر نوید، راول پنڈی

ج: اس کے کئی سبب ہو سکتے ہیں، جگر کی خرابی، گردوں کا ورم، ہضم کا نقص وغیرہ۔ بچّوں کے پیٹ میں اگر کیڑے ہوں تو ان کے زہر کی وجہ سے جسم میں بڑی تبدیلیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اچھا ہے کہ آپ اپنا پیٹ صاف کر لیجیے۔ کیڑے مار کوئی دوا کھا لیجیے۔ پھر غذاؤں میں گھی، گوشت کم کر کے سبزیوں پر زیادہ زور دیجیے۔ پانی آپ کو ذرا زیادہ پینا چاہیے۔ تاکہ نظامِ ہضم صاف ہو جائے اور گُردے دُھل جائیں۔ اگر نیند میں کوئی کمی ہے تو اس سے بھی کمزوری پیدا ہو سکتی ہے اور چہرے کی رونق چلی جا سکتی ہے۔

یرقان

س: میری عمر تیرہ سال ہے۔ مجھے یرقان ہوا تھا۔ ۱۲ بوتل گلوکوز بھی چڑھا تھا۔ اس کے بعد

سے میں بہت تھکی تھکی، مگر موٹی ہوتی جارہی ہوں۔ گیس بھی بہت ہے۔ یرقان کے بعد میرا رنگ کالا ہوتا جارہا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ گلوکوز کے استعمال سے انسان پھول جاتا ہے۔ میں بے حد پریشان ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میں دُبلی ہوجاؤں اور میرا رنگ بھی صاف ہو جائے۔ منزہ سعید، کراچی

ج: یرقان کا صحیح تر علاج طبِ مشرقی میں ہے۔ مغربی طب یہاں قاصر ہے۔ گلوکوز چڑھانے کا اب فیشن ہو گیا ہے۔ کراچی میں اب بات بات پر گلوکوز لگایا جارہا ہے۔ اس کا اس طرح استعمال کسی طرح صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ کو زیرہ سفید سے اپنا وزن کم کرنا چاہیے۔ ۵ گرام زیرہ سفید پانی میں جوش دے کر چھان کر صبح اور رات دونوں وقت پینا شروع کر دیجیے۔ شاید ۱۵ - ۲۰ دن میں وزن کم ہونا شروع ہو جائے گا۔ اگر اس میں آدھا لیموں ملا لیں تو جگر کے لیے یہ خوب ہوگا۔ رنگ بھی شاید صاف ہو جائے۔

خارش اور داد

س: عمر ۱۸ سال ہے، مجھے تین سال سے خارش ہے۔ پہلے باریک دانے اُبھرتے ہیں، پھر کھجلی ہونے سے یہ دانے بڑے دانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، یہ دانے میری ہتھیلیوں میں زیادہ ہوتے ہیں، ان سے پانی رِستا ہے۔ پیپ نہیں ہوتی اور نہ خون نکلتا ہے۔ سردیوں میں دانے ختم ہو جاتے ہیں اور گرمی میں اُبھر آتے ہیں۔ رخسانہ رشید، کراچی

ج: بہ ظاہر یہ "وییپنگ اگزیما" ہے۔ عورتوں کو اکثر زیادہ اس کی تکلیف ہوتی ہے۔ ممکن ہے اِس کی وجہ یہ ہو کہ آپ گھر کا کام کاج کرتی ہوں اور لہسن پیاز سے واسطہ پڑتا ہو۔ یہ مرض واقعی ہٹیلا ہوتا ہے اور بڑی توجہ چاہتا ہے۔ تمام ایسے کام جن میں پانی وغیرہ ہاتھ کو زیادہ لگے ترک کرنا ہوں گے، کھانے میں مٹھاس کم کر دیجیے۔ دوا کے طور پر صبح ایک قرص رسوت پانی کے ساتھ اور شام کو حیاتین ج (وٹامن سی) ۵۰۰ ملی گرام کی دو ٹکیاں لیجیے۔ رات کو سوتے وقت صافی ۱۲ گرام پیجیے اور ہمدرد مرہم دانوں پر لگائیے۔ اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو ہکتولین فائدہ دے گی ان شاء اللہ۔

ہکلانا

س: میری عمر ۱۸ سال ہے۔ میں لکنت جیسے مرض میں مبتلا ہوں، جس کی وجہ سے کلاس میں

بہت شرمندگی اُٹھانا پڑتی ہے۔ میں کاغذ کھانے کا بھی عادی ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ علاج بتائیے۔ غلام جیلانی، کراچی

ج : ہکلاہٹ اور ہکلاہٹ قطعی طور پر اور یقینی طور پر نفسیاتی تکلیف ہے، جس کو ہر انسان، وہ جوان ہو کہ نوجوان، اپنی کوشش سے دُور کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ درحقیقت خود پر عدم اعتماد کا ہے اور یہ احساسِ کم تری کا مظہر ہے۔ آپ کو جب تک خود پر اعتماد نہ ہوگا اور جب تک کم تری کا احساس آپ کے ذہن سے باہر نہ ہوگا لکنت کا کوئی علاج ممکن نہیں ہے۔ زبان آپ کے قبضے و اختیار کی چیز ہے جو آپ کی حرکت اور ارادے کے ساتھ حرکت میں آتی ہے۔ اگر آپ ارادہ کریں تو کیا مجال کہ زبان ذرا بھی ہل جائے۔ اگر ایسا ہے اور ضرور ایسا ہے تو پھر آپ یہ ارادہ کیجیے کہ زبان آپ کی مرضی کے مطابق چلے اور ہلے۔ وہ اسی طرح چلے گی، لیکن اگر آپ کے ذہن میں ذرا بھی ٹیڑھ اور احساسِ کم تری ہے تو زبان ٹیڑھی چلے گی۔ آپ نے اپنی ایک کیفیت یہ لکھی ہے کہ کاغذ آپ کی مرغوب غذا ہے۔ یہ بجائے خود ایک نفسیاتی کم زوری ہے۔ آپ اپنے اعصابی مزاج پر قابو پائیے اور صحت مند رہنے کا خود فیصلہ کیجیے۔

دانتوں سے خون بہنا

س: میرے دانتوں سے خون بہتا ہے۔ دانت ذرا سا ہل جائے تو خون بہنے لگتا ہے۔ کُلّی کرتے وقت بھی خون آتا ہے۔ بہت سے ٹوتھ پیسٹ اور پاؤڈر استعمال کیے، لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اس مرض کو تقریباً دو تین سال ہو گئے ہیں۔ خاص طور پر رمضان کے مہینے میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ محمد اسلم، مقام نامعلوم

ج : یہ بڑی واضح علامت اس کی ہے کہ آپ کے جسم میں حیاتین ج (وٹامن سی) کی بڑی کمی ہو گئی ہے، اور یہ کہ آپ کی غذا ایسی ہے کہ جو آپ کے جسم کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر رہی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ گائے کا گوشت زیادہ کھا رہے ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ گائے کا گوشت کھانے والوں کے مسوڑھے کبھی اچھے نہیں رہ سکتے۔ آپ کی غذا میں زیادہ سے زیادہ سبزیاں ہونی ضروری ہیں۔ فی الحال آپ کو حیاتین ج کی اضافی مقدار بھی چاہیے۔ ہمدرد سے یا کسی بڑے اسٹور سے ۵۰۰ ملی گرام کی وٹامن سی کی ٹکیاں

خرید لیجیے۔ ایک ٹکیا صبح اور ایک شام کم از کم ایک ماہ متواتر کھائیے۔

چکنی جلد

س: میرے چہرے کی جلد چکنی ہے۔ ہر وقت تیل سا نکلتا رہتا ہے۔ آئے دن پھنسیاں نکلتی ہیں۔ ازراہِ کرم علاج بتائیے
قمر علی قریشی، کراچی

ج: بعض جلدیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے دہنی غدود زیادہ مستعد ہوتے ہیں اور ان سے ضرورت سے زیادہ روغنی مادّہ رِستا رہتا ہے۔ جسم میں اگر حیاتین کی ضرورت کا خیال رکھا جائے تو اکثر حالات میں یہ غدود توازن میں رہتے ہیں۔ انسان کا جگر قدرتی طور پر حیاتین ب (وٹامن بی) تیار کرتا رہتا ہے، لیکن اگر جگر کا فعل خراب ہو جائے جو اکثر و بیش تر ہماری غذائی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے، تو پھر اس کا اثر چہرے پر واضح ہو جاتا ہے۔ غذا میں سبزیاں زیادہ کھائیے۔

پیشاب بہت آتا ہے

س: میری عمر ۱۸ سال ہے، مگر بعض اوقات رات کو بستر پر پیشاب ہو جاتا ہے۔ کوئی علاج بتائیے!
اقبال حبیب، کراچی

ج: بستر میں پیشاب (بول فی الفراش) کا مرض ضروری نہیں ہے کہ بچّوں کو ہو، بڑے بھی اس میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ بھلا بتائیے آپ کون سے بچّے ہیں۔ اچھے خاصے ۱۸ سال کے نوجوان ہیں! کہیں آپ کے پیٹ میں کیڑے تو پلے ہوئے نہیں ہیں؟ مناسب ہے کہ آپ اپنے پیٹ کو صاف کر لیں۔ اس کا اچھا علاج یہ ہے:۔

صبح : خمیرہ ہمدرد ۶ گرام
رات: معجون کندر ۶ گرام
۱۵ ۔ ۲۰ دن تک کھائیے۔ ان شاء اللہ آرام ہو جائے گا۔

کِسان

غلام محی الدین نظر

میں حمد اُس خدا کی کروں کیا بیاں
بنایا ہے جس نے یہ سارا جہاں
اُسی نے بنایا یہ اچھا کسان
بڑی جس کی عزّت بڑی جس کی شان

سویرے ہی کھیتوں کو جاتا ہے یہ
اناج اور سبزی اُگاتا ہے یہ
اِسی کی کمائی پہ پَلتے ہیں سب
اسی کے سہارے سنبھلتے ہیں سب

جو بیج اپنے کھیتوں میں ڈالے نہ یہ
جو ہَل اور درانتی سنبھالے نہ یہ
تو پڑ جائے مشکل میں دنیا تمام
مصیبت اُٹھائے ہر اِک خاص و عام

ضروری ہے سب مِل کے مانگیں دُعا
کسانوں کو دے خوب برکت خدا

اپنی مدد آپ

کیپٹن کے میک لیرن نے جو اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا جانوروں کا (وٹرینری) سرجن تھا۔ فلپائن کے جنگلوں میں خود اپنے اوپر ایک ایسا عملِ جراحی (آپریشن) کیا جس پر یقین کرنا مشکل ہے۔ انھوں نے کوئی سکون بخش دوا استعمال کیے بغیر ایک آئینہ اپنے مقابل رکھ کر خود اپنی آنت کا اپنڈکس کاٹ کر پھینک دیا۔ پھر خود ہی زخم کو سی لیا۔ اس آپریشن میں تین گھنٹے لگے۔ یہ واقعہ ۱۹۷۶ء میں پیش آیا۔

مرسلہ: طارق محمود، کراچی

لمبی عمر کا راز

آذر بائیجان کے ایک شخص محمد ایوازوف کی زندگی بہت دِل چسپ ہے۔ اس شخص کا ۱۹۵۹ء میں ڈیڑھ سو سال کی عمر پاکر انتقال ہوا۔ وہ آخری وقت تک اپنے فارم میں کام کرتا رہا۔ وہ تیس لڑکوں اور لڑکیوں کا باپ تھا۔ مرتے وقت اس کی بڑی لڑکی کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اس کے پوتوں اور پڑپوتوں کی کُل تعداد سوا تین سو تھی۔ اس کی لمبی عمر اور قابلِ رشک صحت کی وجہ سخت مشقت، سادہ غذا، قناعت پسندی اور بے فکری ہے۔

مرسلہ: فرخ نذر، لاہور کینٹ

چھے ماہ کی بچّی چلتی ہے

سڈنی میں ایک بچّی حیرت انگیز طور پر بڑھ رہی ہے۔ یہ بچّی دماغی اور جسمانی طور پر عام بچّوں سے طاقت ور ہے۔ اس کے والدین نے بتایا کہ ان کی بیٹی "شیامارا" سولہ دن کی تھی کہ وہ کھڑی ہونے لگی۔ پانچ ماہ کی عمر میں وہ رینگنے لگی، چھے ماہ کی عمر میں اس نے چلنا شروع کر دیا۔ اب وہ دن میں کئی مرتبہ دوڑتی بھی ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا بلب

جاپان کی ایک فرم نے ۵۰ کلوواٹ کی طاقت کا ایک بلب تیار کیا ہے جس کی روشنی اتنی زیادہ ہے کہ چھے سو گز دُور بیٹھ کر بھی اخبار پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ بلب بنانے والی کمپنی کا دعوا ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا بلب ہے۔ اس کا محیط ۲۱ اِنچ اور لمبائی ۲۶ اِنچ ہے۔ اس کی طاقت عام بلبوں سے ۷۰۰ گنی زیادہ ہے۔

مرسلہ: شاہ جہاں علی شاہی، کراچی

قرآن پاک کی بے نقط تفسیر

فیضی نے فارسی زبان میں قرآن پاک کی ایک تفسیر "سواطع الالہام" کے نام سے لکھی تھی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس پوری تفسیر میں ایک نقطہ بھی استعمال نہیں ہوا تھا۔ اس کا ہر لفظ بے نقط تھا۔ اسی طرح اس نے عقل و دانائی اور نصیحتوں پر مشتمل ایک اور بے نقط کتاب "موارد الکلام" کے نام سے بھی لکھی تھی۔

مرسلہ: شبیر احمد جلالی، کراچی

مینار کا راز

ترکی میں ایک ایسا مینار ہے، جس کی چوٹی پر سے ہر وقت پانی کے قطرے گرتے رہتے ہیں۔ یہ پانی کے قطرے گزشتہ پانچ سو سال سے گر رہے ہیں اور پانی گرنے کا یہ راز اب تک بڑے سے بڑے سائنس دانوں کی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔

مرسلہ: محمد منیر قریشی، روہڑی، سکھر

تم بہت بہادر ہو

رُڈیارڈ کپلنگ

راشد کے والد شاداب خان صاحب فوج میں کرنل کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے شروع سے ہی اپنے بیٹے کی تربیت فوجی انداز میں کی تھی۔ اگر راشد ایک ہفتے تک نیک بنا رہتا اور ہر ایک سے اچھا سلوک کرتا تو اسے انعام دیا جاتا۔ اگر وہ کوئی شرارت کرتا یا کسی کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتا تو اُسے سزا ملتی اور جرمانے میں جیب خرچ بند کر دیا جاتا۔

سب بچّے عام طور پر اجنبی لوگوں سے شرماتے ہیں اور ان سے بات کرتے ہوئے جھجکتے ہیں، لیکن کرنل صاحب نے راشد کو ایسی تربیت دی تھی کہ وہ ہر کسی سے بہت بے تکلّفی سے ملتا اور اس سے خوب گھُل مِل کر باتیں کرتا۔ کسی سے ڈرنا اور خوف زدہ ہونا تو وہ جانتا ہی نہیں تھا۔ انھی خوبیوں کی وجہ سے سب لوگ راشد کو بے حد پسند کرتے تھے۔

ایک دن راشد نے باغیچے کی فالتو گھاس پھونس ایک جگہ اکٹھی کی اور اُسے آگ لگا دی۔ بد قسمتی سے ایک چنگاری اُڑ کر گھاس کے ذخیرے پر جا پڑی۔ یہ گھاس گھوڑوں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ گھاس کا ذخیرہ ذرا دیر میں بھسم ہو گیا۔

کرنل صاحب کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا۔ ملزم یعنی راشد نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ کرنل صادق صاحب نے اسے دو روز تک گھر میں قید رہنے کی سزا سُنا دی۔

راشد نے بہت صبر و تحمّل کے ساتھ سزا کا حکم سُنا۔ اس نے اپنے کپکپاتے ہوئے ہونٹ کو دانتوں میں بھینچ کر اپنے والد کو فوجی طریقے سے سلیوٹ کیا اور بچے تُلے قدموں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا۔ جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اگلی صبح جب وہ چھت پر چڑھا ہوا تھا، اس نے باجی فرحانہ کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار چلی جا رہی تھی۔ راشد نے زور سے پوچھا، "تم کہاں جا رہی ہو؟"

فرحانہ زور سے بولی، "دریا کے اس پار۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ اور کچھ دیر بعد وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

فوجی چھاؤنی سے ذرا دُور ایک دریا تھا۔ وہ موسم سرما میں خشک پڑا رہتا تھا۔ اس دریا کے دوسری طرف کاگا قبیلے کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ کسی فوجی کو اُدھر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے افسران بھی اُدھر نہیں جاتے تھے۔

ایک دن راشد نے اپنے ابّو کرنل صادق خاں سے پوچھا تھا، "ابّو جان، آپ ہمیں اُدھر جانے سے کیوں منع کرتے ہیں؟"

کرنل نے کہا، "بیٹا، دریا کے اس طرف کاگا قبیلے کا علاقہ ہے۔ وہاں ہماری حکومت کا قانون نہیں چلتا بلکہ وہ لوگ اپنے قبیلے کے سردار کا حکم مانتے ہیں۔ اگر ہمیں اُدھر جانے کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے ہم کمشنر صاحب سے اجازت لیتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے آدمیوں کی حفاظت میں کہیں آجا سکتے ہیں۔"

کرنل شاداب نے شروع سے راشد کو فوجی انداز میں تربیت دی تھی۔

اُس نے ایک دن یہی بات مَامَا سے پوچھی۔ بوڑھی مَامَا کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی،"بیٹا، خُدا بُرے وقتوں سے بچائے۔ یہ کاگا لوگ بچّوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ پھر وہ ان کے ماں باپ سے بھاری رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بیٹا، تم کبھی اِدھر جانے کی کوشش نہ کرنا۔"

جب راشد نے باجی فرحانہ کو اُدھر جاتے ہوئے دیکھا تو اسے یہ سب باتیں یاد آ گئیں۔ اُس نے سوچا کہ اگر کاگا لوگوں نے باجی فرحانہ کو پکڑ لیا تو کیا ہوگا؟ اس کے ماں باپ غریب لوگ ہیں۔ وہ جُرمانے کی بھاری رقم ادا نہیں کر سکیں گے، پھر ہو سکتا ہے کہ کاگا باجی فرحانہ کو قتل کر ڈالیں۔"

راشد تیزی سے باہر کی طرف بھاگا۔ اس نے اصطبل سے اپنا خچّر لیا۔

سائیس نے پوچھا،"اس وقت آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟"

راشد نے کہا،"بس یوں ہی ذرا سیر کے لیے دل چاہ رہا ہے۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔"

سائیس نے راشد کو خچّر پر بیٹھنے میں مدد دی۔ راشد کو یہ جھوٹ بولنے پر بہت شرم آرہی تھی اور افسوس بھی تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ہر چیز اسے دریا کے پار جانے سے منع کر رہی ہے۔ کئی دفعہ تو بوڑھی ماما اور کرنل صاحب کے چہرے اس کی نظروں کے سامنے آگئے، لیکن جب اسے باجی فرحانہ کا خیال آیا تو اس نے خچر کو ایڑ لگادی اور اسے دریا کی طرف جانے والے راستے پر ڈال دیا۔ اس نے خچّر کو پوری تیز رفتاری سے دوڑایا، لیکن باجی فرحانہ کا دُور دُور تک کوئی پتا نہ تھا۔

کچّی سڑک ختم ہو گئی۔ کھیتوں کے سلسلے سے گزر کر آخری پولیس چوکی آگئی۔ شاید سب پولیس والے بیرک کے اندر گپ شپ میں مصروف تھے، اس لیے اُسے کسی نے نہیں روکا۔ پھر وہ خشک دریا سے گزرا۔ جب وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو اسے دُور ایک پہاڑی کے قریب باجی فرحانہ کی جھلک دکھائی دی۔ اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے گھوڑے کا پاؤں رپٹا اور فرحانہ گھوڑے سے پھسل کر زمین پر آگری۔ اس کے پاؤں میں موچ آگئی تھی۔ اُس نے کھڑا ہونے کی کوشش کی، مگر درد سے بے تاب ہو کر بیٹھ گئی۔ آخر وہ حوصلہ ہار بیٹھی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کچھ دیر بعد جب اُس نے سَر اُٹھا کر دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کے سامنے ایک چھوٹا سا لڑکا خاکی وردی پہنے ہوئے کھڑا تھا۔

لڑکے نے پوچھا، "باجی، کیا آپ کو بہت زیادہ چوٹ آئی ہے؟"

فرحانہ بولی، "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس ذرا پاؤں میں موچ آگئی ہے۔"

راشد نے پوچھا، "باجی، آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟"

فرحانہ کچھ دیر سوچتی رہی کہ اس سوال کا جواب دے یا نہ دے۔ آخر وہ بولی، بھائی جان مجھے ڈرپوک کہہ کہہ کر میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ آج میں یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ میں بُزدل اور ڈرپوک نہیں ہوں۔"

لڑکی اپنے اس احمقانہ خیال پر بہت شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا جسے اس نے دوپٹے سے فوراً پونچھ دیا۔ اب اُس نے راشد سے پوچھا، "تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

راشد نے کہا، "جی میں آپ ہی کی تلاش میں اِدھر آیا ہوں۔ شاید آپ کو پتا نہیں ہے کہ یہ کاگا قبیلے کا علاقہ ہے۔ کوئی شخص ادھر نہیں آتا۔ فوجی جوان تو کیا خود میرے والد کرنل صادق ادھر نہیں آتے۔ جب میں نے آپ کو اس طرف جاتے دیکھا تو میں پوری تیز رفتاری سے خچر کو بھگاتا ہوا چلا۔ راستے میں آپ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیں اور اب ملی ہیں تو اس زخمی حالت میں۔"

فرحانہ اپنی تکلیف اور درد بھول کر حیرت سے راشد کو دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا، "تم چھاؤنی سے یہاں تک آئے ہو؟ تم نے یہ تکلیف کیوں اُٹھائی؟"

راشد نے کہا، "باجی، آپ کے والد شاہ صاحب میرے اُبّو جان کے دوست ہیں۔ اس لیے آپ کو اس طرف آتے دیکھ کر مجھے تشویش ہوئی۔ اب آپ جلدی سے اُٹھ جائیے اور میرے ساتھ چلیے۔ یہاں زیادہ دیر تک ٹھیرنا خطرناک ہے۔ یہ بہت بری جگہ ہے۔"

فرحانہ باجی بولی، "بھیّا میرے پاؤں میں موچ آگئی ہے اور اب تو مجھ سے اُٹھا بھی نہیں جا رہا ہے۔ ہائے میں اب کیا کروں؟"

وہ دوبارہ رونے لگی۔ کچھ دیر کے بعد وہ آنسو پونچھ کر بولی، "راشد، تم واپس جاؤ اور چھاؤنی

میں جاکر لوگوں کو میرے متعلق بتاؤ۔ انھیں کہنا کہ میں زخمی ہوں وہ مجھے یہاں سے لے جانے کا انتظام کریں۔"

راشد کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ باجی فرحانہ نے آنکھیں بند کرلیں۔ درد اب برداشت سے باہر ہوا جارہا تھا۔ راشد نے خچر کی لگام اس کی گردن کے گرد لپیٹ دی اور اسے ایک چابک رسید کیا۔ خچر آزاد ہوتے ہی چھاؤنی کی طرف بھاگا۔

باجی نے حیران ہو کر پوچھا" ارے یہ تم نے کیا کیا؟"

راشد سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ پہلے سے بالکل ہی مختلف نظر آرہا تھا۔ اس نے کہا، "چُپ خاموش۔ ایک آدمی ہماری طرف چلا آرہا ہے۔ میرا آپ کے پاس ٹھیرنا بہت ضروری ہے۔ اُبّو جان کہتے ہیں کہ مَردوں کو عورتوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔" خچر کو دیکھ کر میرے گھر والے سمجھ جائیں گے اور ہماری تلاش شروع کردیں گے۔"

پہاڑی کے پیچھے سے تین آدمی نکلے۔ انھیں دیکھ کر راشد کا دل بھی تیزی سے دھڑکنے

پہاڑی کے پیچھے سے کاگا قبیلے کے آدمی نکل کر فرحانہ اور راشد کے پاس پہنچے۔

لگا۔ وہ آدمی اس جگہ آکر ٹھیر گئے جہاں فرحانہ اور راشد بیٹھے ہوئے تھے۔ راشد نے ڈانٹ کر کہا، "تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟ جاؤ۔ میں کہتا ہوں کہ جاؤ یہاں سے۔"

وہ آدمی راشد کی جرات اور بے باکی پر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ انھیں ہنستا دیکھ کر راشد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

اس نے کڑک کر کہا، "تم آخر چاہتے کیا ہو؟ میں کہتا ہوں کہ جاؤ۔ جاؤ۔ جاؤ۔"

پہاڑی کے پیچھے سے ایک اور آدمی نکلا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اسے دیکھ کر فرحانہ کی چیخ نکل گئی۔

ایک آدمی نے راشد سے پوچھا، "تم کون ہو؟"

راشد بہت جرات سے بولا، "میں کرنل صاحب کا بیٹا ہوں۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ تمھاری خوف ناک شکلیں دیکھ کر فرحانہ باجی کو ڈر لگ رہا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص چھاؤنی میں جا کر اطلاع دے دے کہ باجی فرحانہ کو سخت چوٹ آئی ہے۔ کرنل صاحب کا بیٹا اس کی دیکھ بھال کے لیے اس کے پاس موجود ہے۔"

ان آدمیوں نے آنکھوں آنکھوں میں اشارے کیے کہ دیکھو، یہ چھوٹا سا لڑکا کس بے خوفی سے باتیں کر رہا ہے۔ ایک آدمی نے ہنس کر کہا، "واہ بھئی وا، یہ تم نے خوب کہی۔ تم چاہتے ہو کہ ہم خود جا کر جال میں پھنس جائیں۔"

راشد نے پھر بہت دلیری سے کہا، "انھیں جا کر یہ کہنا کہ میں نے یعنی کرنل صاحب کے بیٹے نے تمھیں بھیجا ہے۔ تب وہ تمھیں گرفتار نہیں کریں گے، بلکہ بہت سا انعام دیں گے۔"

ایک آدمی نے کہا، "اس بے کار گفت گو سے کیا فائدہ؟ ہم ان دونوں کو اٹھا کر لے چلتے ہیں، پھر ہم ان کی رہائی کے لیے بھاری معاوضہ طلب کریں گے۔"

یہ سن کر راشد بھی گھبرا گیا۔ اس نے بے چین ہو کر پوچھا، "کیا تم ہمیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو؟"

ایک لمبے قد والا بولا، "ہاں صاحب بہادر، پہلے ہم تمھیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ پھر ہم تمھارا اچار ڈالیں گے۔"

راشد نے غصّے سے گھور کر اسے دیکھا اور بولا، "بے وقوفوں کی سی باتیں مت کرو۔ میں

جانتا ہوں کہ آدمیوں کا اچار نہیں ڈالا جاتا۔"

ایک اور آدمی نے زور کا قہقہہ مار کر کہا، "واہ رے رُستم خاں، تیرا حوصلہ۔"

راشد نے پھر بہت ہمّت اور بے خوفی سے کہا، "اگر تم ہمیں اغوا کر کے لے گئے تو یاد رکھنا کہ فوج ہماری تلاش میں ایک ایک گھر کی تلاشی لے گی۔ یاد رکھنا کہ مجرم بچ کر نہیں جاسکیں گے، ہاں۔" راشد کی بات سُن کر ان چاروں کو سانپ سونگھ گیا۔

ایک آدمی بولا، "ارے بے وقوفو، یہ لڑکا بات تو ٹھیک ہی کہتا ہے، وہ کرنل اپنے بیٹے کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دے گا، تم فوج کی سخت گیری سے واقف نہیں ہو۔ اگر یہ کسی کے پیچھے لگ جائیں تو اس کا کھوج نکال کر رہتے ہیں۔ پچھلے دِنوں خدا بخش خاں نے کسی فوجی کو قتل کر دیا تھا۔ جب وہ گرفتار ہوا تو فوجیوں نے اُسے سخت سزا دی اور اس بے دردی سے مارا کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اگر تم نے اس بچّے یا لڑکی کو کوئی تکلیف پہنچائی تو یاد رکھنا کہ فوج پورے گاؤں کو تہس نہس کر دے گی، پھر نہ کوئی بوڑھا بچے گا نہ بچّہ۔"
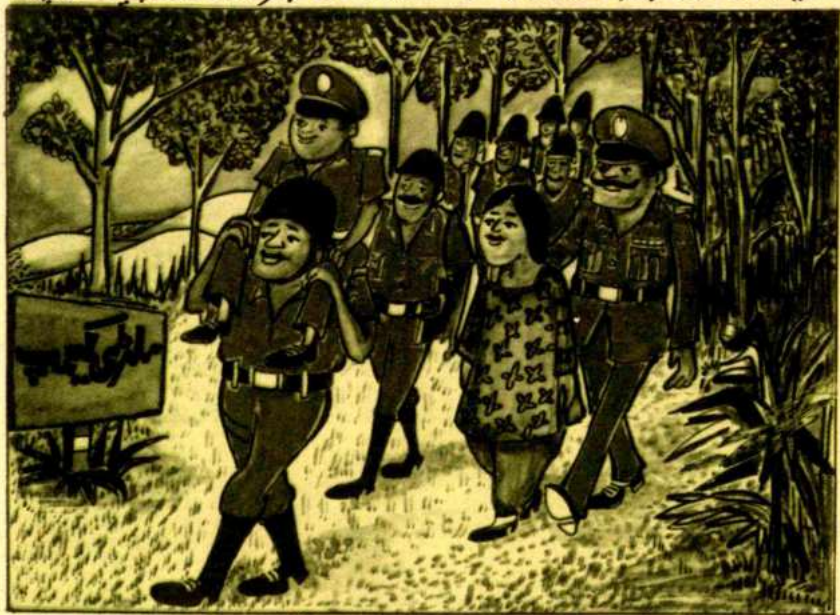
کچھ فوجیوں نے راشد کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔

یہ دین محمد تھا جو بہت دن پہلے کرنل صاحب کا ملازم رہ چکا تھا۔ کرنل نے کسی بات پر ناراض ہو کر اُسے ملازمت سے نکال دیا تھا۔

اُدھر جب خچّر اپنے سوار کے بغیر واپس پہنچا تو وہ سیدھا ایک فوجی دستے میں جا گھسا جو پریڈ کر رہا تھا۔ سارجنٹ نے خچّر کو دیکھا تو اُس نے تفتیش کی کہ یہ کس کا خچّر ہے؟ ایک فوجی نے بتایا "یہ کرنل صاحب کے بیٹے راشد کا خچّر ہے۔ میں نے اُسے دریا کی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

سارجنٹ فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ اس نے کہا "میرا خیال ہے کہ وہ کا گا قبائلی علاقے میں چلا گیا ہے۔ شاید اسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ اس لیے تم سب لوگ فوراً اس کی تلاش میں چلو۔"

سب فوجی دوڑتے ہوئے دریا کی طرف چلے۔ جب وہ دریا سے گزر کر دوسرے کنارے پر پہنچے تو انھیں دُور کھڑے ہوئے تین چار کا گا قبائلی دکھائی دیے۔ وہ ابھی تک بحث کر رہے تھے کہ ان دونوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ فوجیوں میں سے کسی نے ہوائی فائر کر دیا۔

دین محمد بولا "میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ پوری پلٹن ان دونوں کی تلاش میں آرہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انھیں چھوڑ کر بھاگ چلو۔"

پھر ایک گولی چلنے کی آواز سُنائی دی۔ وہ تینوں آدمی جس طرح پہاڑوں کے پیچھے سے اچانک نمودار ہوئے تھے۔ اسی طرح اچانک غائب ہو گئے۔

راشد نے اسی عزم اور حوصلے کے ساتھ باجی فرحانہ سے کہا "آپ کوئی فکر نہ کیجیے، پوری پلٹن ہماری تلاش میں اس طرف آرہی ہے۔ آپ ہمّت سے کام لیں اور رونے گا بالکل نہیں۔"

شاید راشد نے یہ الفاظ اپنی ہمّت بڑھانے کے لیے کہے تھے، کیوں کہ ذرا دیر بعد جب اس کے والد کرنل صاحب آئے تو وہ باجی فرحانہ کی گود میں سَر رکھ کر بڑی طرح رو رہا تھا۔ کرنل صاحب نے جب راشد کی بہادری کا کارنامہ سُنا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو بہت شاباش دی اور کہا "بیٹا، تم بہادر ہو۔ بہت بہادر ہو۔ مجھے تم پر فخر ہے۔"

کچھ فوجیوں نے راشد کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا اور جلوس کی شکل میں اسے کیمپ کی طرف لے چلے۔

یہ آپ کا لڑکا ہے؟ اس نے تو اسکول کے
تمام رِکارڈ توڑ دیے ہیں
اوہ، میں معافی چاہتی ہوں۔ میں
نے اس کے ابّو سے بہت کہا تھا کہ ابھی
اس کو اسکول میں داخل نہ کرو، یہ
شریر وہاں بھی گھر کی طرح توڑ پھوڑ
کرے گا۔
تمھیں اپنے کیے کی کافی سزا مل چکی ہے۔
امید ہے میں تمھیں آئندہ اس جیل میں نہیں دیکھوں گا۔
جیلر صاحب، کیا یہاں سے آپ کا
تبادلہ ہو رہا ہے؟
جیل

مٹر کا دانہ بڑا سیانا

معراج

بہت دنوں کا ذکر ہے کہ کاشغر میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ وہ اتنی ضعیف اور کم زور تھی کہ گھر کا کام بھی بہت مشکل سے کر سکتی تھی۔ اس کا بوڑھا خاوند لکڑیاں کاٹنے کے لیے جنگل میں چلا جاتا۔ بے چاری بڑھیا دن بھر اکیلی رہتی۔ کبھی کبھی وہ وقت گزارنے کے لیے اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتی۔ ایک دن وہ بولی، "اولاد بھی خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔"

کسی نے اُس کے کان میں آہستہ سے کہا، "کیا آپ کو اولاد کی بہت آرزو ہے؟"

بڑھیا نے بڑے غور سے مٹر کے دانہ کو دیکھا

بڑھیا بولی، "میری تو ساری عمر اس آرزو میں بیت گئی کہ کوئی مجھے ماں کہہ کر پکارتا، لیکن میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔"

پھر کسی نے بہت آہستہ سے کہا، "اگر آپ کا ایک بیٹا ہوتا تو آپ کیا کرتیں؟"

بڑھیا بولی، "میں اُسے بہت لاڈ پیار سے پالتی، جب وہ جوان ہو جاتا تو بہت دُھوم دھام سے اُس کی شادی کرتی۔" یہ کہہ کر بڑھیا بہت زور سے قہقہہ مار کر ہنسی اور بولی، "اے لو، گھر میں نہ بیٹا ہے اور نہ بیٹی اور میں اُن کی شادی بیاہ کرنے بیٹھ گئی۔" پھر وہ آہ بھر کر بولی، "یہ آرزو کرتے کرتے میں بوڑھی ہو گئی۔"

کسی نے پھر آہستہ سے کہا، "اگر خدا کا حکم ہو تو سوکھا ٹھنٹھ بھی ہرا بھرا ہو سکتا ہے۔"

بڑھیا بولی، "ٹھیک ہے، خدا چاہے تو ہر بات ممکن ہو سکتی ہے۔"

پھر آواز آئی، "اگر خدا آپ کو ایک چھوٹا سا بیٹا عطا فرما دے، بالکل مٹر کے دانے جیسا ننھا مُنّا سا، تو کیا آپ اسے پسند کریں گی؟"

بڑھیا بولی، "اے لو، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اولاد چاہے ٹھنگنی ہو یا بڑے قد کی، ماں باپ کے لیے وہ دنیا کی سب سے زیادہ پیاری چیز ہوتی ہے۔"

بڑھیا پھر قہقہہ مار کر ہنسی اور بولی، "میں بھی کیسی احمقانہ باتیں سوچتی رہتی ہوں۔"

اسی وقت آواز آئی، "امّی! امّی!"

بڑھیا نے حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا اور بولی، "کون ہے؟"

کسی نے زور سے کہا، "امّی جان! یہ میں ہوں، آپ کا بیٹا۔ میرا نام ہے مٹر کا دانہ، بڑا سیانا۔"

بڑھیا نے پوچھا، "لیکن تم کہاں ہو؟"

مٹر کا دانہ بولا، "امّی جان، میں اتنا چھوٹا ہوں کہ آپ کو نظر نہیں آسکتا۔ میں لوگوں کے کان میں گھس جاتا ہوں اور وہ جو کچھ سوچتے ہیں میں وہ سُن لیتا ہوں۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں آپ کے کان میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔"

بڑھیا ہنس کر بولی، "باتیں تو ہوتی رہیں گی بیٹا، پہلے تم اپنی شکل تو دکھاؤ۔"

فوراً ہی جھینگروں کے بولنے یا مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز سنائی دی اور ایک گرم

گرم قطرہ بڑھیا کے ہاتھ پر گر پڑا۔ مٹر کا دانہ بولا "لیجیے امی جان، میں حاضر ہوں"۔
بڑھیا نے بہت غور سے دیکھا۔ اگر آسمان ٹوٹ کر گر پڑتا تب بھی اسے اتنا تعجب نہ ہوتا۔ مٹر کا دانہ موتی جیسا چمک دار تھا۔ اس کی دو چمک دار آنکھیں تھیں۔ مکڑی کے جالے جیسے باریک اور پتلے پتلے ہاتھ پاؤں۔ بڑھیا کو اس پر بہت پیار آیا۔ وہ اسے چومنے کے لیے جھکی۔ مٹر کا دانہ چیخ کر بولا "امی، امی، ذرا احتیاط سے، ایسا نہ ہو کہ آپ مجھے نگل ہی جائیں"۔
بڑھیا نے بہت آہستگی سے مٹر کے دانے کو پیار کیا اور کہا، "بیٹا، سدا سُکھی رہو، تم نے مجھے خوش کیا، خدا تمھیں خوشی بخشے۔ بیٹا، یہ تو بتاؤ کہ تم کھاتے پیتے کیا ہو؟"
مٹر کا دانہ ہنس کر بولا، "جب مجھے بھوک لگتی ہے تو میں بادشاہ کے دسترخوان پر پہنچ جاتا ہوں۔ سب لوگ بادشاہ کے سامنے تھراتے ہیں، لیکن میں ان کا حال دیکھ دیکھ کر ہنستا رہتا ہوں، ان کے کان میں گھس جاتا ہوں اور جو کچھ وہ سوچتے ہیں میں وہ سُن لیتا ہوں"۔
بڑھیا نے حیران ہو کر پوچھا، "بیٹا، تم تو کافی بڑے ہو، تم ان کے کان میں کیسے گھس سکتے ہو؟"
مٹر کا دانہ آہستہ سے ہنس کر بولا، "یہ کیا مشکل ہے بھلا؟ میں سُکڑ سمٹ کر رائی کے دانے سے بھی زیادہ چھوٹا ہو جاتا ہوں۔ جب میرا دل چاہتا ہے تو میں ہوا کے ساتھ اُڑ کر دُور دراز کی سیر کرنے چلا جاتا ہوں"۔
بڑھیا نے کہا، "تم اپنے ابا جان سے بھی مل کر آؤ۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے"۔
مٹر کا دانہ بے تاب ہو کر بولا، "امی جان، میں ابا جان سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ اس وقت کہاں ملیں گے"۔
بڑھیا ٹھنڈا سانس بھر کر بولی، "بیٹا، ہم غریبوں کو گزر بسر کرنے کے لیے بہت محنت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ وہ اس وقت جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہے ہوں گے"۔
مٹر کا دانہ بولا، "میں اب چلتا ہوں، خدا حافظ امی جان"۔ یہ کہہ کر مٹر کے دانے نے چھلانگ لگائی اور ہوا کے جھونکے کے ساتھ اُڑتا ہوا چلا گیا اور جلد ہی بوڑھے لکڑہارے

کو تلاش کر لیا۔

مٹر کا دانہ اس کے ہاتھ پر بیٹھ گیا اور زور سے بولا، "اِدھر دیکھیے اُبّو جان، میں آپ کا بیٹا ہوں۔ میرا نام ہے مٹر کا دانہ بڑا سیانا۔"

بوڑھا مٹر کے دانے سے مل کر بہت خوش ہوا۔ مٹر کا دانہ بولا، "ابّا جان، آپ میرے ڈیل ڈول کو دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔ کیا آپ نے نہیں سُنا جو چیز چھوٹی ہوتی ہے قیمت میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً ایک تولہ سونے کی قیمت ایک من لوہے سے زیادہ ہے۔ زمین ہل کے پھل سے زیادہ بڑی ہوتی ہے، لیکن لوہے کا پھل زمین کا سینہ چیر سکتا ہے۔ درخت کلہاڑی کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑا ہوتا ہے، لیکن کلہاڑی درخت کو کاٹ کر گرا سکتی ہے۔"

بوڑھا خوش ہو کر بولا، "واہ، تم تو بہت عقل مند اور سمجھ دار ہو۔"

مٹر کا دانہ فخر سے بولا، "جی ہاں، اِسی لیے لوگ مجھے مٹر کا دانہ بڑا سیانا کہتے ہیں۔ اب دیکھیے میں زین اور لگام کے بغیر کیسے گھوڑے کی سواری کرتا ہوں۔"

بوڑھا لکڑہارا اسے ایک گھوڑے کے پاس لے گیا۔ مٹر کا دانہ اُچھل کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا اور زور زور سے بولا، "ٹخ ٹخ ٹخ۔ چل میرے گھوڑے چل۔" یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کی کمر میں زور سے چٹکی لی۔ گھوڑا اُچھل پڑا اور اِدھر اُدھر دوڑنے بھاگنے لگا۔ وہاں سے ایک تاجر گزر رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کو اِدھر اُدھر دوڑتے دیکھا تو بہت حیران ہوا اور لکڑہارے سے پوچھنے لگا:

"بابا، گھوڑے کو یہ کون دوڑا رہا ہے؟ ٹخ ٹخ ٹخ کی آواز تو سنائی دے رہی ہے، لیکن کہنے والا دِکھائی نہیں دے رہا۔"

بوڑھا بولا، "خدا تعالیٰ نے مجھے مٹر کے دانے برابر فرزند عطا فرمایا ہے۔ اس کا جسم بہت چھوٹا ہے، لیکن عقل اور دانائی میں وہ دس آدمیوں پر بھاری ہے۔"

مٹر کے دانے نے گھوڑے کو ٹھیرایا اور کُود کر بوڑھے لکڑہارے کے ہاتھ پر چڑھ گیا۔ تاجر اس ننھے مُنّے سے بولتے ہوئے مٹر کے دانے کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اُس نے کہا، "چچا جان، اگر آپ قبول کریں تو میں اس مٹر کے دانے کے بدلے میں آپ کو اشرفیوں

کی ایک تھیلی دے سکتا ہوں۔"

مٹر کا دانہ غصّے سے بولا، "واہ جی واہ۔ آپ نے میرے بہت کم دام لگائے۔"

تاجر بولا، "میں آپ کو اشرفیوں کی دو تھیلیاں دیتا ہوں، کہیے منظور ہے؟"

مٹر کے دانے نے ایک چھلانگ لگائی اور بوڑھے کے کان میں گھس کر بولا، "ابّا جان، آپ مجھے اشرفیوں کی بیس تھیلیوں سے کم قیمت پر فروخت نہ کیجیے گا۔"

لکڑ ہارا خاموش رہا۔ اُسے چپ دیکھ کر تاجر نے کہا، "اشرفیوں کی دس تھیلیاں۔ کہیے سودا منظور ہے؟"

لکڑ ہارا بولا، "کیا کوئی شخص اپنی اولاد کو بھی فروخت کیا کرتا ہے؟"

تاجر نے کہا، "اشرفیوں کی بیس تھیلیاں۔"

مٹر کا دانہ بولا، "ابّا جان، کہہ دیجیے کہ مجھے یہ سودا منظور ہے۔"

لکڑ ہارے نے ہاں کر دی اور سودا طے پا گیا۔ تاجر نے اشرفیوں کی بیس تھیلیاں لکڑ ہارے

مٹر کا دانہ چھلانگ مار کر میز پر آیا

کے حوالے کیں اور مٹر کے دانے کو ساتھ لے کر چلنے لگا۔ دانہ بولا، "ابا جان، فکر نہ کیجیے گا، میں جلد ہی آپ کے پاس واپس آؤں گا، خدا حافظ۔"

تاجر دربار میں پہنچا۔ اس وقت بادشاہ اپنے درباریوں، امیروں اور وزیروں کے ساتھ ملک کے حالات پر گفت گو کر رہا تھا۔ تاجر نے کہا، "عالی جاہ، میں ایک بہت ہی نادر چیز آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک لڑکا ہے۔ جس کا قد مٹر کے دانے کے برابر ہے۔"

بادشاہ تخت سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملک کے دانش مند وزیروں نے انکار میں سَر ہلایا اور بولے، "ناممکن، بالکل ناممکن۔"

وزیرِ اعظم نے کہا، "عالی جاہ، ناممکن، بالکل ناممکن۔ دنیا کی کسی کتاب میں اتنے چھوٹے قد والے لڑکے کا ذکر نہیں۔"

مٹر کا دانہ چھلانگ مار کر میز پر آیا اور بولا، "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ لیجیے میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ اب بتائیے اس حقیقت کو کون جھُٹلا سکتا ہے؟"

سب درباری مٹر کے دانے کو حیرت اور تعجب سے دیکھنے لگے۔ مٹر کے دانے نے ایک چھلانگ لگائی اور بادشاہ کے ہاتھ پر چڑھ گیا۔ وہ بولا، "سرکار، جو قامت میں کم ہوتا ہے وہ قیمت میں زیادہ ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے میں سب سے اعلا جگہ یعنی آپ کے مبارک ہاتھ پر بیٹھا ہوا ہوں۔"

بادشاہ خوش ہو کر بولا، "بے شک، مٹر کے دانے تم بڑے سیانے ہو۔"

بادشاہ نے بڑھئی کو حکم دیا کہ مٹر کے دانے کے لیے ایک چھوٹا سا محل بنایا جائے۔ جو خالص سونے کا ہو اور اس میں مخمل اور ریشم کے گدّے بچھے ہوئے ہوں۔ اب بادشاہ نے مٹر کے دانے کو میز پر رکھ دیا۔ مٹر کو دل لگی سوجھی۔ اس نے سوچا کہ بادشاہ کے وزیروں کے خیالات معلوم کرنے چاہییں۔ وہ سُکڑ سمٹ کر اور چھوٹا ہو گیا۔ پھر وہ اُڑ کر ایک وزیر کے کان میں گھس گیا اور اس کے خیالوں کو سننے لگا۔ وہ وزیر سوچ رہا تھا کہ بادشاہ کی ناک بہت لمبی ہے۔ مٹر کا دانہ وہاں سے نکل کر دوسرے وزیر کے کان میں گھس گیا۔ یہ وزیر بادشاہ کا ذاتی مُعالج (حکیم) بھی تھا۔ یہ وزیر بھی بحث میں حصّہ لینے کے بجائے اپنے

خیالات میں گم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بادشاہ بیمار ہو جائے تو میں علاج کے معاوضے میں ہیروں کی انگوٹھی طلب کروں گا۔ ایک اور وزیر سوچ رہا تھا کہ میں اس بڈھے بادشاہ سے زیادہ عقل مند ہوں۔ ایک اور وزیر سوچ رہا تھا کہ بادشاہ کا تخت بہت خوب صورت ہے۔ صرف ایک وزیر پوری توجہ سے بادشاہ کی گُفت گُو سُن رہا تھا۔

اب مٹر کا دانہ بادشاہ کے کان میں جا گھُسا اور بتانے لگا کہ کون اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔

غصّے کے مارے بادشاہ کا بُرا حال ہو گیا۔ وہ چیخ کر بولا" میں خوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص سلطنت کے کاموں میں دل چسپی نہیں رکھتا۔"

وہ پہلے وزیر کی طرف مُڑ کر بولا" بے وقوف شخص، دوسروں کے عیب نکالنے کے بجائے اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھو۔ نہ میں اپنی لمبی ناک کو چھوٹا کر سکتا ہوں اور نہ تم اپنی چھوٹی ناک کو کھینچ کر لمبا کر سکتے ہو۔"

وزیر تھر تھر کانپتا ہوا بادشاہ کے قدموں میں گر پڑا۔

اب بادشاہ ذاتی مُعَالج سے بولا" لالچی انسان، تم اس فکر میں ہو کہ لوگ بیمار پڑیں، اور تمھارا کاروبار چمکے، تم لوگوں کا علاج کرنے کے بجائے ان کی کھال اُتارتے ہو۔ تف ہے تم پر۔"

بادشاہ اب تیسرے وزیر سے مخاطب ہوا" جو اپنے آپ کو عقل مند سمجھتا ہے وہی سب سے بڑا بے وقوف ہوتا ہے۔"

پھر بادشاہ چوتھے وزیر سے بولا" تم سمجھتے ہو کہ یہ تخت بہت خوب صورت ہے۔ کاش تم جانتے کہ اوپر سے خوب صورت اور دل فریب نظر آنے والی چیزیں اندر سے اتنی ہی بد صورت اور مکروہ ہوتی ہیں۔"

بادشاہ کی آواز اُونچی ہوتی چلی گئی، "میں نے تمھارے خیالات کو تمھارے سامنے بیان کر دیا۔ کبھی تم نے اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھا؟ لیکن تمھیں تو سیر و تفریح، عیش و عشرت اور سونا چاندی جمع کرنے سے فرصت ہی کہاں ملتی ہو گی؟ اگر لوگوں کو تمھارے کرتُوتوں کا علم ہو جائے تو وہ تمھیں کھینچ کر نیچے گرا دیں گے۔"

اب دن رات بادشاہ کو یہ فکر ستانے لگی کہ اس کے سب وزیر بہت نکمے اور کام چور ہیں۔ وہ سلطنت کے معاملات پر توجہ دینے کے بجائے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ آخر ایک دن اس نے سب وزیروں کو برطرف کر دیا اور ایسے نوجوان لوگوں کو وزیر بنایا جو ہوشیار اور محنتی تھے۔

جوں ہی نئے وزیروں کو اختیار ملا وہ پَر پُرزے نکالنے لگے۔ انھوں نے خفیہ طور پر بادشاہ کے خلاف سازش کی اور آخر ایک دن اُسے تخت و تاج سے محروم کر کے کاشغر سے نکال دیا۔

بادشاہ نے روتے ہوئے اپنے محل پر آخری نظر ڈالی۔

مٹر کا دانہ بولا، "عالی جاہ، جو ہو چکا اس پر رونے دھونے اور آنسو بہانے سے کیا حاصل؟ اب آپ صبر کریں اور مصیبتوں کا بہادری سے مقابلہ کریں۔"

بادشاہ بولا، "مٹر کے دانے! میں آہ و فغاں کیوں نہ کروں؟ میرا شاہی عصا جاتا رہا۔"

مٹر کے دانے نے بادشاہ سے کان میں کہا، "سرکار، کیا آپ سُن سکتے ہیں؟"

مٹر کا دانہ بولا، "صبر کیجیے اور سامنے درخت سے ایک شاخ کاٹ لیجیے۔ آپ کا شاہی عصا بہت وزنی تھا۔ یہ ہلکی پھلکی چھڑی اس کے مقابلے میں بہتر ہے۔"

بادشاہ آنسو پونچھ کر بولا، "مٹر کے دانے میں کیوں نہ آنسو بہاؤں؟ میرا شاہی تخت چھن گیا۔"

مٹر کا دانہ بولا، "صبر کیجیے حضور، آپ اُس گھاس کے گٹھے پر بیٹھ جائیے۔ اب فرمائیے سرکار، یہ آپ کے ٹھوس تخت کے مقابلے میں نرم و ملائم ہے یا نہیں؟ اور گھاس کی تازہ تازہ مہک، سبحان اللہ، کسی عطر میں بھی ایسی خوش بُو نہیں ہے۔"

بادشاہ نے کہا، "میں اپنے تاج سے محروم ہو گیا ہوں۔ میرا وہ سونے کا تاج چھن گیا جس میں بیش قیمت ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔"

مٹر کا دانہ بولا، "عالی جاہ، صبر کیجیے۔ وہ سامنے مہندی کی باڑ ہے۔ ایک شاخ توڑ کر گھیرا بنا لیجیے اور سر پر پہن لیجیے۔ اب فرمائیے سرکار، وہ بھاری تاج بہتر ہے یا یہ نرم و نازک گھیرا؟ بھاڑ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ عالی جاہ، جو چیزیں جا چکیں ان کا غم کرنے سے کیا فائدہ؟"

بادشاہ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور بولا، "مٹر کے دانے! شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو، اب ہمیں صبر ہی کرنا چاہیے۔"

بادشاہ کو اپنی موجودہ حالت پر صبر و قرار آ ہی گیا۔ اب وہ گاؤں گاؤں پھرنے لگا تاکہ لوگوں کا حال معلوم کر سکے۔ اسے نئی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک دن اُس نے دیکھا کہ ایک ظالم آدمی ایک شخص کو کوڑے مار رہا ہے اور وہ چیخ چیخ کر فریاد کر رہا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا، "کوئی اس مظلوم شخص کی فریاد کیوں نہیں سُنتا؟"

مٹر کے دانے نے کہا، "اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ بہرا ہے۔ وہ لوگوں کی فریاد سُننے سے قاصر ہے۔"

بادشاہ نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جو ننگے پاؤں تھے۔ ان کے کپڑے بھی میلے کچیلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ اس نے پوچھا، "یہ لوگ ایسے خستہ حال میں کیوں ہیں؟"

مٹر کا دانہ بولا، "اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ اندھا ہے۔ وہ ان کی حالت نہیں دیکھ سکتا۔"

بادشاہ نے لوگوں کو دیکھا جو سوکھی ہوئی روٹیاں پانی میں بھگو بھگو کر کھا رہے ہیں۔ اُس نے پوچھا، "یہ لوگ سوکھی روٹیاں کیوں کھاتے ہیں؟"

مٹر کا دانہ بولا، "سرکار، جب بادشاہ اور اس کے مُصاحب (ساتھی) تر نوالے کھائیں گے تو ان غریبوں کو روکھی سوکھی روٹی بھی مل جائے تو بہت ہے۔"

بادشاہ نے دیکھا کہ لوگ دن رات محنت مشقت کرتے ہیں اور تھکن سے ان کا حال بہت خراب ہو رہا ہے۔ اُس نے پوچھا، "یہ لوگ اتنی سخت محنت کیوں کرتے ہیں؟"

مٹر کا دانہ بولا، "یہ لوگ کام کرنے پر مجبور ہیں۔ جب بادشاہ عیش و عشرت میں پڑ جائے تو رعایا میں بدحالی اور غریبی بڑھ جاتی ہے۔"

بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا، "ان لوگوں نے مجھے تخت و تاج سے بے دخل کر کے ایسا بادشاہ منتخب کیوں کیا جو اندھا اور بہرا ہے، عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا ہے اور اپنی رعایا کے حال سے بے خبر ہے۔"

مٹر کا دانہ بولا، "بادشاہ بننے سے پہلے یہ شخص بھی سُن سکتا تھا اور دیکھ سکتا تھا اور عام لوگوں کی طرح رہتا تھا۔ بادشاہ بننے کے بعد اکثر لوگ اندھے، بہرے اور بے خبر ہو جاتے ہیں۔"

یہ سُن کر بادشاہ بولا، "مٹر کے دانے تمھاری باتیں سُن کر میری آنکھیں کُھل گئی ہیں۔ تم نے مجھے وہ نصیحت کی ہے جو میں عمر بھر نہ بھولوں گا۔ اگر میں دوبارہ بادشاہ بن گیا تو لوگوں کا خیال رکھوں گا۔"

ابھی بادشاہ یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ گھڑسواروں کا ایک دستہ اِدھر آنکلا۔ ان کے سردار نے بادشاہ کو پہچان لیا۔ وہ گھوڑے سے نیچے اُترا اور بادشاہ کے ہاتھ چوم کر بولا، "عالی جاہ، لوگوں نے موجودہ بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔ بادشاہ، اس کے وزیروں اور درباریوں کو قید کر لیا ہے۔ حضور، آپ کا تخت خالی پڑا ہے اور لوگ آپ کی واپسی کے منتظر ہیں۔"

سب لوگ بہت عزت اور احترام سے بادشاہ کو اپنے ساتھ لے گئے اور انھوں نے بادشاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ مٹر کے دانے نے بادشاہ کے کان میں کہا، "سرکار، کیا آپ سُن

سکتے ہیں، کیا آپ دیکھ سکتے ہیں اور حالات کو سمجھ سکتے ہیں؟ یا آپ پھر ہر بات سے بے خبر ہو گئے ہیں؟"

بادشاہ ہنس کر بولا، "اے سیانے مٹر کے دانے! میں اب پوری طرح ہوش و حواس میں ہوں۔"

مٹر بولا، "عالی جاہ، اگر آپ نے لوگوں سے ذرا بھی غفلت برتی تو یہ آپ کو پھر تخت و تاج سے بے دخل کر دیں گے۔ یہ میری آخری نصیحت ہے کہ آپ لوگوں کی ضرورت کا پورا پورا خیال رکھیے گا۔"

یہ کہہ کر مٹر کا دانہ ذرا دیر کے لیے چپ ہو گیا۔ پھر وہ بولا، "سرکار، میں اب چلتا ہوں۔ میری بوڑھی ماں اور باپ میرا راستہ دیکھ رہے ہوں گے۔" یہ کہہ کر وہ ہوا میں تیرتا ہوا محل سے باہر نکل گیا۔

زلزلہ اور بندریا

۲۷۔ اگست ۱۸۸۳ء کو انڈونیشیا میں ایک جزیرے "کراکاٹوا" میں ایک زبردست زلزلے کی وجہ سے ۳۶ ہزار افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ آدھا جزیرہ فضا میں اُڑ گیا اور اس کی جگہ ایک ہزار فیٹ گہرا سمندر بن گیا۔ زلزلے سے مٹی فضا میں بیس میل اُونچی اُڑی، دھماکہ آتش فشاں پہاڑ پھٹنے کی آواز تقریباً دو ہزار میل دُور اوسٹریلیا میں بھی سُنی گئی۔ سو میل دُور جکارتا میں دھماکے کی وجہ سے کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ فضا میں گرد تین سال تک موجود رہی اور اس کی وجہ سے نہ صرف ایشیا بلکہ دنیا کے کئی دوسرے حصّوں میں بھی کبھی کبھی سورج چُھپ جاتا تھا۔

اتنی زبردست تباہی کے باوجود جزیرے پر صرف ایک جان دار زندہ بچا تھا، اور وہ تھی ایک بندریا۔

مرسلہ: سیدہ تسنیم اشفاق، کراچی

وقت کے تقاضوں کی تکمیل
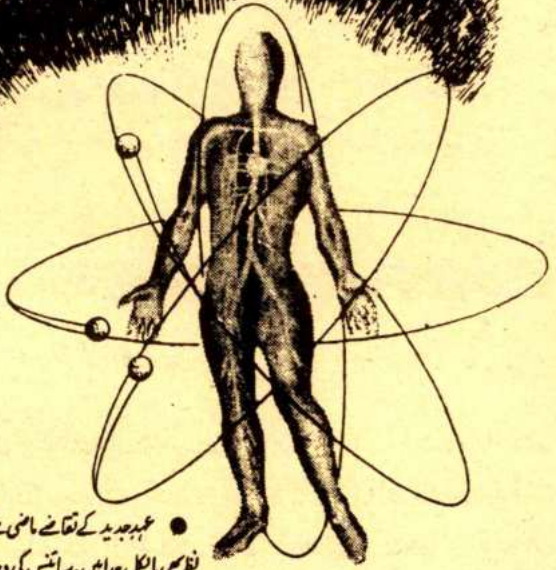
● عہد جدید کے تقاضے ماضی سے کہیں مختلف ہیں۔ اس عہد کے زاویہ ہائے نظر بھی بالکل جدا ہیں۔ سائنس کی وجہ سے انسانی تصورات میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کے معاشرتی ردعمل نے انسان کے لیے گوناگوں مسائل پیدا کردیے ہیں ہمیں ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔

اِن ہی اہم مسائل میں صحت کا مسئلہ بھی ہے جسے ہمدرد اس دور کے تقاضوں کے مطابق ترقی یافتہ سائنسی طریقوں کی مدد سے حل کرنے کے لیے سرگرم کار ہے

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے۔ حکیم محمد سعید

س: دنیا میں کتنے رسم الخط ہیں۔ کسی رسم الخط کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔

محمد عارف محمد یوسف، کراچی

ج: یہ بتانا تو مشکل ہے کہ دنیا میں کُل کتنے رسم الخط رائج ہیں، لیکن یہ ایک جانی پہچانی حقیقت ہے کہ تمام قدیم زبانوں کے رسم الخط صدیوں پرانے ہیں۔ انھیں کس نے ایجاد کیا اور وہ ترقی کی کن منازل سے گزرے، یہ سب ماضی کے دھندلکوں میں کھویا ہوا ہے، کیوں کہ انسان کی تحریر اور تحریر شدہ تاریخ اُس کی پوری ہستی اور زمین پر اُس کے قیام کے مقابلے میں بہت مختصر ہے۔ انسان نے لکھنا سیکھا تو اپنے الفاظ میں اُس چیز کا عکس پیش کرنے کی کوشش کی، جسے وہ ظاہر کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس فن نے ترقی کی اور آج بعض زبانوں اور ان کے رسم الخط نے انتہائی ترقی یافتہ شکل اختیار کرلی ہے۔

س: الیکٹرون کیا ہے اور اسے سب سے پہلے کس نے دریافت کیا؟

جاوید انور انجم، نواب شاہ

ج: الیکٹرون وہ نہایت خفیف منفی برقی چارج ہے، جو ایٹم کے مرکز کے چاروں طرف تیزی سے گردش کرتا ہے۔ مثلاً سب سے سادہ ایٹم ہائیڈروجن کا ہے، جس کے مرکزے پر ایک نہایت خفیف مثبت چارج ہوتا ہے، جسے پروٹون کہتے ہیں اور اسے بے اثر کرنے کے لیے اُس کے چاروں طرف ایک الیکٹرون گردش کرتا ہے، جس کا منفی چارج پروٹون کے مثبت چارج کے برابر

لیکن اُس کا مخالف ہوتا ہے اور یوں یہ ایٹم اپنی عام حالت میں نہ مثبت چارج کا حامل ہوتا ہے اور نہ منفی کا۔ یہی حال دوسرے ایٹموں کا ہے کہ اُن کے مرکزے پر جتنے پروٹون ہوتے ہیں، اُس کے چاروں طرف مختلف حلقوں میں مجموعی طور پر اتنے ہی الیکٹرون گردش کرتے ہیں۔

س: پنیر کیا ہے؟ کیسے بنتا ہے اور اب لوگ اس کا استعمال کیوں نہیں کرتے؟

ظفر اقبال قادری، دادو

ج: پنیر اور مکھن میں یہ فرق ہے کہ پنیر میں چکنائی بہت کم ہوتی ہے۔ دودھ کے باقی اجزا اس میں موجود ہوتے ہیں۔ بناتے وقت بھی اس میں یہی بات مدِّ نظر رکھی جاتی ہے کہ اس کی چکنائی الگ کر دی جائے، کیوں کہ پنیر بالعموم وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو موٹے نہیں ہونا چاہتے یا دل کی کسی بیماری کی وجہ سے چکنائی سے پرہیز کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ پنیر استعمال کرتے ہیں، لیکن مکھن کا استعمال زیادہ ہوتا ہے، کیوں کہ وہ زیادہ مزے دار ہوتا ہے۔

س: سمندر میں طوفان کیوں اور کیسے آتے ہیں؟

تسلیم احمد، کراچی

ج: اس کی کئی وجہ ہیں۔ ایک تو پریشر کا فرق یعنی زمین کے چاروں طرف ہوا کا غلاف ہر چیز پر دباؤ ڈالتا ہے، لیکن یہ دباؤ یکساں نہیں رہتا۔ کسی جگہ کم ہو جاتا ہے تو کسی جگہ زیادہ۔ زیادہ پریشر والی جگہ سے تیز ہوا اُس طرف چلتی ہے جہاں فضائی پریشر کم ہوتا ہے۔ پریشر کا یہ فرق جتنا زیادہ ہوگا ہوا کی رفتار بھی اتنی ہی زیادہ ہو گی اور زیادہ رفتار والی یہ ہوا ہی طوفانی ہوا کہلاتی ہے اور طوفان کا سبب بنتی ہے۔ اس سے سمندر پر اتنی بڑی بڑی لہریں اٹھتی ہیں کہ جہاز بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ بارش اور بجلی طوفانوں کی خوف ناکی کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں۔ چاند کی کشش سے بھی سمندر پر طوفانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جسے مدّو جزر کہتے ہیں۔ چاند کا فاصلہ ہم سے تقریباً ڈھائی لاکھ میل ہے۔ اتنی دُور سے بھی وہ ہماری زمین پر کشش ڈالتا ہے۔ خشکی تو اُس کی طرف نہیں اُبھر سکتی، لیکن ہمارے

سمندروں کا پانی ضرور اُٹھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہل چل سی پیدا ہو جاتی ہے۔

س: پاکستان میں بجلی کی ریل گاڑی سب سے پہلے کب اور کس اسٹیشن سے چلی؟
ایم یامین گُل آرزو، حیدر آباد
ج: چند سال ہوئے لاہور اور خانیوال اسٹیشنوں کے درمیان بجلی کے تار بچھائے گئے اور ان دو مقامات کے درمیان برقی انجن چل رہے ہیں۔

س: کیا خون کا عطیہ دینا صحّت کے لیے نقصان دہ ہے؟ ہم کس طریقے سے دوسروں کو اپنے خون کے عطیے سے فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟
محسن رجب علی، نواب شاہ
ج: دوسروں کی خدمت کرنا عبادت ہے۔ اگر صحّت مند انسان تھوڑا سا خون دوسروں کے لیے دے دے تو اُس کی صحّت پر بُرا اثر نہیں پڑے گا، کیوں کہ تن درست انسان کا جسم یہ کمی جلد پوری کر لیتا ہے۔ اگر ہم صحّت مند ہیں، ہمارے جسم میں خون خاصی مقدار میں موجود ہے اور عمر ایسی ہے کہ جسم اس کمی کو پورا کر سکتا ہے تو دوسروں کے لیے تھوڑا سا خون دے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

س: ہمارے جسم پر بالوں کی کیا اہمیت ہے؟ کیا ان سے کوئی جسمانی فائدہ پہنچتا ہے؟
ظفر حفیظ، اسلام آباد
ج: ہمارے جسم کے لیے بال خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ اُن سے ہمارے جسم کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں موسم کی سختی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ہمیں احساس نہیں ہوتا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ جاڑوں میں بال ایک طرح کے غلاف کا کام دیتے ہیں اور ہمیں سخت سردی سے محفوظ رکھتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ہوا ان کے درمیان قید ہو جاتی ہے۔ جو حرارت کا اچھا موصل نہیں ہے۔ ہوا کے ان گوشوں کی وجہ سے ہماری جسمانی حرارت باہر نہیں نکلتی اور ہمیں سردی کم محسوس ہوتی ہے۔

س: وھیل مچھلیوں کے شکار کے لیے کون سے ہتھیار استعمال کیے جاتے ہیں؟ شکار میں ہارپون کس کام آتا ہے؟
محمد ارشد، لانڈھی

ج: وھیل کے شکار کے لیے جدید ترین ہارپون یا بھالے جیسے ہتھیار استعمال کیے جاتے ہیں۔ چوں کہ وھیل کے جسم کا ہر حصّہ کام آتا ہے اس لیے کوشش کی جاتی ہے کہ وہ زخمی ہو کر نکل نہ جائے، بلکہ جب وہ شکار ہو جاتی ہے تو ایسا انتظام کیا جاتا ہے کہ وہ پانی کی سطح پر تیرنے لگے اور پھر اُس کے جسم پر ایک ٹرانسمیٹر لگا دیا جاتا ہے، جس سے مستقل طور پر سگنل نکلتے رہتے ہیں، جو بتاتے رہتے ہیں کہ وھیل کہاں ہے۔ پھر اُسے تلاش کر کے اُس کے جسم کے ٹکڑے کیے جاتے ہیں۔

س: سطحِ سمندر سے بلندی کے ساتھ درجۂ حرارت کم کیوں ہوتا چلا جاتا ہے؟
طارق محمود چٹھہ، بہاول پور

ج: یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ سطحِ سمندر سے بلندی کے ساتھ ہوا کی کثافت کم ہوتی چلی جاتی ہے، یعنی ہوا سطحِ سمندر پر سب سے گاڑھی اور پہاڑوں پر لطیف ہوتی ہے۔ گاڑھی ہوا ایک غلاف کا کام دیتی ہے۔ میدانی علاقوں پر دن میں جتنی دھوپ پڑتی ہے اُس کی تمازت اور گرمی اس غلاف میں پھنس کر اور قید ہو کر رہ جاتی ہے، اس لیے ہم میدانی علاقوں میں رات کو بھی آرام محسوس نہیں کرتے، لیکن پہاڑوں کی ہوا لطیف ہوتی ہے۔ دن بھر پڑنے والی گرمی اُس میں قید نہیں ہوتی اور ہم پہاڑوں پر خنکی محسوس کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ درختوں اور نباتات کی افراط بھی درجۂ حرارت کو کم رکھنے میں مدد دیتی ہے۔

س: اوکسی جن گیس کس طرح بنتا ہے؟
عبدالرؤف، کراچی

ج: قدرتی طور پر تو پودے اوکسی جن تیار کرتے ہیں اور دھوپ اس عمل میں مدد دیتی ہے اور مصنوعی طور پر کارخانوں میں اوکسی جن تیار کی جاتی ہے۔

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۲۰ فروری ۱۹۸۴ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلومات عامہ ۲۱۴ ضرور لکھ دیجیے۔ جواب الگ کاغذ پر نمبروار لکھیے۔ جواب کے نیچے اور تصویر کے پیچھے اپنا نام، پتا اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور لکھ دیجیے۔ ایک سے زیادہ نام ہونے کی صورت میں صرف پہلا نام ہی شمار کیا جائے گا۔

۱ - کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے بھائی اور کتنی بہنیں تھیں۔

۲ - بتائیے درخت پر لگا ہوا آم آپ کیسے کھائیں گے۔

۳ - "اگرچہ میں کسی کو فکرِ شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا، لیکن تمھاری نسبت میرا خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے۔" بتائیے یہ بات غالب نے کس شاعر کے بارے میں کہی تھی۔

۴ - عیسوی کیلنڈر میں تیس دن کے کتنے مہینے ہوتے ہیں؟

۵ - "لب" میں تین حروف ملانے سے کس ملک کا نام بن جاتا ہے؟

۶ - کرکٹ کے کھیل میں جب آٹھواں کھلاڑی بیٹنگ کرنے جا رہا ہو تو بتائیے کتنے کھلاڑی آؤٹ ہو چکے ہوں گے؟

۷ - پاکستان کی حسین وادی ہنزہ کا مقبول ترین کھیل کون سا ہے؟

۸ - وہ کون سا عیسوی مہینہ ہے جس کے پہلے اردو کے دو حروف مٹا دیں تو ایک بہت بڑی سواری بن جاتی ہے؟

۹ - "اٹلس" پہاڑ کس برِاعظم میں واقع ہے؟

۱۰ - پیلے رنگ میں ذرا سا سرخ رنگ ملانے سے کون سا رنگ بنتا ہے؟

ہمدرد گھٹی
بچوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا
چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹی نومولود
بچوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی
خوش ذائقہ ہمدرد گھٹی بچوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی
دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔
خوش ذائقہ
ہمدرد گھٹی
ہمدرد
ہمدرد گھٹی

دو مسافر دو ملک

حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی کے سفر انگلستان اور فرانس کے تاثرات

مسعود احمد برکاتی

پروفیسر کیرس واڈی نے پروفیسر جیسپر گریفن، مسٹر گارتھ لین اور مس میری ایمبلٹن کو بھی ہم سے ملانے کے لیے بُلا رکھا تھا۔ پروفیسر جیسپر گریفن اوکسفرڈ یونی ورسٹی میں یونانی زبان اور ادب پڑھاتے ہیں۔ وہ کوئی بیس سال سے بیلیَل کالج اوکسفرڈ سے متعلق ہیں۔ وہ نقاد بھی ہیں اور ٹائمز کے ادبی صفحات میں ادبی تنقیدیں لکھتے ہیں۔ تپاک سے ملے۔ وہ ۱۹۷۹ء میں پاکستان آچکے ہیں۔ حکیم صاحب نے شامِ ہمدرد کے تحت کراچی، لاہور، راول پنڈی اور پشاور میں ان کے چار لکچر بھی کرائے تھے، جس میں سے ایک اوکسفرڈ میں تدریس اور تحقیق کے بارے میں بھی تھا۔ باقی لکچر بھی ادبی موضوعات پر تھے۔ ایک اور ادیب گارتھ لین اور ایک خاتون مس میری ایمبلٹن بھی شریکِ محفل تھیں۔ یہ خاتون ابھی نو عمر ہیں اور اوکسفرڈ میں مصر اور برطانیہ کے تعلقات اُن کا موضوع ہے۔ ہماری یونی ورسٹیوں کے برعکس مغربی ملکوں میں یونی ورسٹیاں طالبِ علموں کو صرف پڑھا کر ڈگریاں نہیں دیتیں۔ وہ علم کو آگے بڑھانے کے تمام طریقے اختیار کرتی ہیں۔ تحقیق بھی کرتی ہیں۔ ان خاتون نے مصر اور برطانیہ کے تعلقات کو اپنے مطالعے اور تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ اس موضوع میں ماہر شمار ہونے لگیں گی اور پھر حکومت بھی ان کے علم سے فائدہ اُٹھائے گی اور مصر کے معاملات میں ان سے مشورہ لے گی۔ ڈاکٹر واڈی نے خاطر تواضع کا خاصا انتظام کیا تھا۔ مس ماریسن اور مس ایمبلٹن بھی اُن کی مدد کر رہی تھیں۔ اِصرار کر کر کے کھلا رہی تھیں۔ علمی باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ مس واڈی کا گھر چھوٹا سا ہے۔ کھڑکی کے باہر درخت اور پودے بہار دے رہے تھے۔ سردی تھی، لیکن لُطف آرہا تھا۔ اچھا موسم، پُرسکون ماحول اور علمی لوگوں کی صحبت، اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔ دل کب چاہتا کہ یہ محفل ختم ہو، لیکن ہم بھی مسافر تھے۔ وقت کم تھا۔ اوکسفرڈ یونی ورسٹی

بھی دیکھنی تھی۔ یہ برطانیہ کی سب سے پرانی اقامتی یونی ورسٹی ہے۔ یہاں ۲۱ مردانہ کالج اور ۵ زنانہ کالج ہیں۔ سب سے پرانا کالج "یونی ورسٹی کالج" ہے جس کا آغاز ۱۲۴۹ء میں ہوا تھا۔ سب سے نیا کالج سینٹ کیتھرائن کالج ہے جو ۱۹۶۲ء میں قائم ہوا ہے۔ یونی ورسٹی کا سربراہ چانسلر ہوتا ہے، لیکن سارا انتظام وائس چانسلر ہی کرتا ہے۔ ہر کالج کا منتظم ڈین کہلاتا ہے۔ یہاں بوڈلین لائبریری بھی ہے جو برطانیہ کی چار بڑی لائبریریوں میں سے ہے۔ ان چاروں لائبریریوں میں ملک میں چھپنے والی ہر کتاب آتی ہے۔ اس لائبریری کا نام مشہور عالم اور مُدبّر سر تھامس بوڈلے کے نام پر رکھا گیا ہے۔

اوکسفرڈ یونی ورسٹی کی سب سے بڑی جلسہ گاہ "شیلڈونین تھیٹر" ہے۔ یہاں انتظامی جلسے
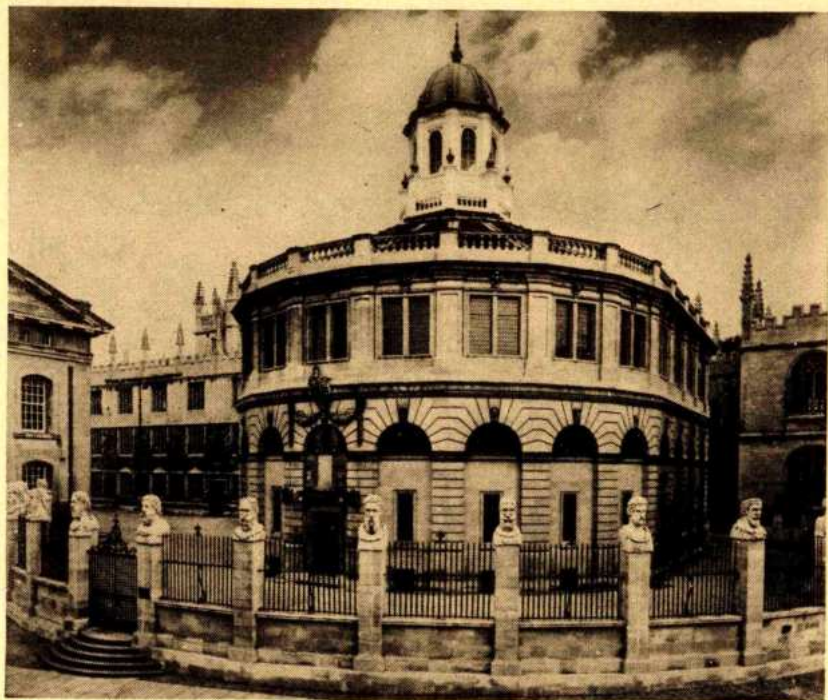
شیلڈونین تھیٹر — بیرونی منظر

بھی ہوتے ہیں اور یونی ورسٹی کی عام تقریبیں بھی۔ اس کا نام ایک پادری گلبرٹ شیلڈن کے نام پر رکھا گیا ہے جس نے اس تھیئٹر کی تعمیر کا کُل خرچ برداشت کیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا ہال ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ سترھویں صدی میں جب یہ بنایا گیا تھا اُس وقت فنِ تعمیر نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ اوکسفرڈ میں فلکیات کے ایک پروفیسر تھے کرسٹوفر رین۔ ان کو عمارت بنانے کے فن سے دِل چسپی ہو گئی۔ چناں چہ وہ قدیم رُوم کی یادگار عمارتیں دیکھنے پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ جلسوں اور اجتماعوں کے لیے سب سے موزوں عمارت تھیئٹر کی ہے، جس میں حاضرین کی بہت بڑی تعداد بیٹھ سکتی ہے، لیکن رُوم کے تھیئٹر چھت کے بغیر کُھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ انگلستان کے موسم میں بے چھت عمارت کار آمد نہیں تھی، لیکن چھت کے لیے کھمبے (ستون) کھڑے کرنے سے رُوم کے تھیئٹر کا نقشہ بالکل بدل جاتا تھا، لیکن رین صاحب کی لگن نے اس کا راستہ نکال لیا اور ۷۰ فیٹ چوڑی چھت کو اوپر سے کمانیں لگا کر سہارا دیا کہ نیچے سے چھت ہموار نظر آتی تھی اور رنگ روغن اس طرح کیا کہ رومن تھیئٹر کی طرح کُھلے آسمان کا سا منظر دکھائی دیتا ہے۔ کرسٹائن ماریسن صاحبہ ہمیں لے کر سب سے پہلے شیلڈونین تھیئٹر پہنچیں۔ تھیئٹر بند تھا، لیکن انھوں نے کھلوا لیا اور بڑی خوشی اور بڑے فخر کے ساتھ دکھایا۔ دیکھ کر واقعی ہمیں بھی خوشی ہوئی۔ عجیب و غریب چیز ہے اور اس کی حفاظت کرنا بھی اوکسفرڈ والوں کا ہی کام ہے۔ حکیم صاحب قبلہ نے بڑی دِل چسپی اور غور سے اس کو دیکھا۔ ان کے دِل و دماغ پر مدینۃُ الحکمت حاوی ہے اور وہ اسی خیال سے بہت سی چیزوں کو دیکھتے ہیں کہ ان سے مدینۃُ الحکمت کی تعمیر میں فائدہ اُٹھائیں۔ بڑی بی حکیم صاحب کی دِل چسپی سے بہت متاثر ہوئیں۔ ان کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وہ بڑھاپے اور کم زوری کے باوجود ہمیں جس جوش و خروش سے اوکسفرڈ دکھا رہی تھیں اس سے یونی ورسٹی سے ان کی محبت ظاہر ہوتی تھی۔

محترمہ نے یقیناً پڑھا بھی اوکسفرڈ ہی میں ہو گا۔ مجھے یاد آیا مولانا محمد علی جوہر نے بھی یہیں پڑھا تھا اور ڈوب کر پڑھا تھا۔ ان کی انگریزی اتنی اچھی تھی کہ انگریز بھی مانتے تھے اور بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ ایک بار ایک رانی صاحبہ ان کی انگریزی گفت گو سُن کر پوچھ بیٹھیں کہ مولانا، آپ نے اتنی اچھی انگریزی کہاں سیکھی؟ مولانا بولے، میں نے انگریزی ایک چھوٹے سے قصبے میں سیکھی ہے۔ رانی نے بڑی حیرت اور اشتیاق سے اس قصبے کا نام پوچھا تو مولانا نے بڑی سادگی سے جواب دیا، "اوکسفرڈ"۔

اوکسفرڈ کی عمارتیں اور درس گاہیں دیکھ کر میرا دل چاہا کہ میں پوچھوں اور دیکھوں کہ مولانا کہاں
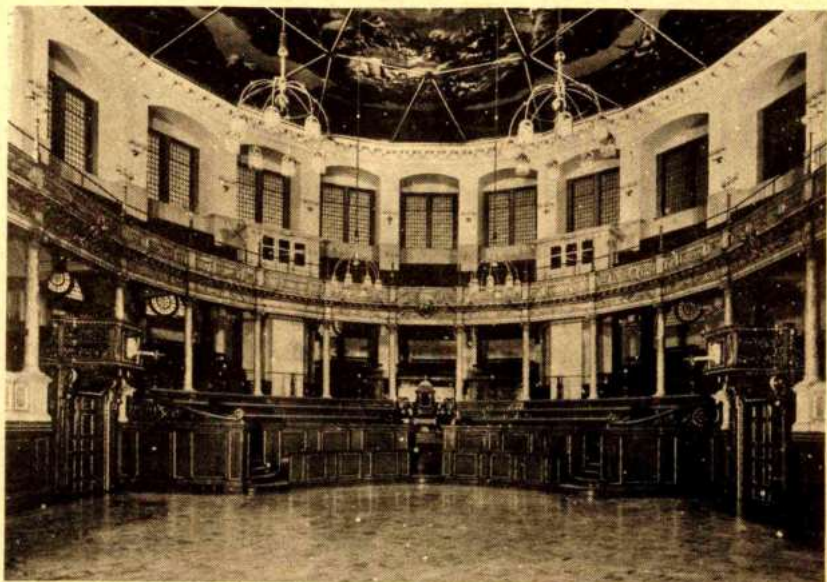
شیلڈونین تھیٹر — اندرونی منظر

رہتے تھے، کہاں پڑھتے تھے، کن گلیوں میں گھومتے پھرتے تھے، کہاں شرارتیں کرتے تھے۔

ماریسن صاحبہ نے ہمیں کئی کالج دکھائے۔ "نیو کالج" کے اندر بلکہ اوپر لے گئیں جہاں طالب علم اور اُستاد رہتے ہیں۔ کہنے لگیں، "یہ نیا کالج صرف ۶ سو سال پرانا ہے۔" نیو کالج ۱۳۷۹ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کالج کی عمارت پہلی چو گوشہ عمارت ہے جس کے درمیان لان اور پھلواری بہت خوب صورت معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم واپس آنے لگے تو پھاٹک (گیٹ) پر موجود آدمی نے بتایا کہ ٹکٹ لینا ضروری ہے۔ اس نے داخل ہوتے وقت اخلاقاً ہمیں نہیں روکا، واپسی کے وقت بتایا۔ حکیم صاحب نے جلدی سے ٹکٹ کے پیسے ادا کیے۔ ماریسن صاحبہ افسوس کرنے لگیں کہ ٹکٹ لگا دیا گیا ہے۔ ان کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ کسی درس گاہ میں داخلہ ٹکٹ سے ہو، لیکن میرا خیال ہے کہ عمارتوں کی حفاظت اور مرمت وغیرہ کے لیے یہ طریقہ ایجاد کیا گیا ہے۔ انگلستان کی آب و ہوا مرطوب ہے، اس لیے عمارتیں کالی پڑ جاتی ہیں۔ گزشتہ برسوں میں عمارتوں خاص طور پر پتھر سے بنی ہوئی عمارتوں کی صفائی اور مرمت پر کروڑوں پاؤنڈ خرچ کیے گئے ہیں۔

(جاری ہے)

نونہال مصوّر
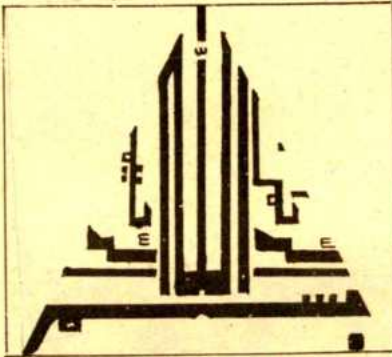
محمد اقبال خالدی، نواب شاہ

ندیم اختر، کراچی

اظہار علی، سانگھڑ
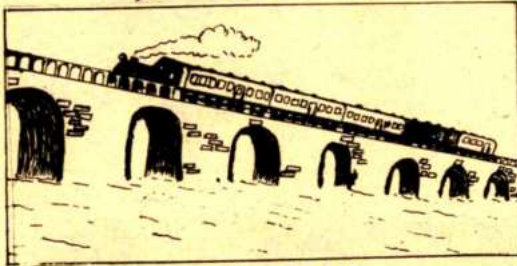
محمد اسماعیل
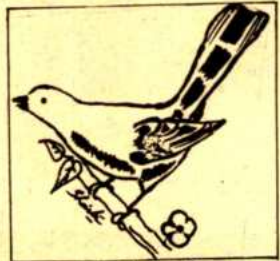
شائستہ قیوم، کراچی
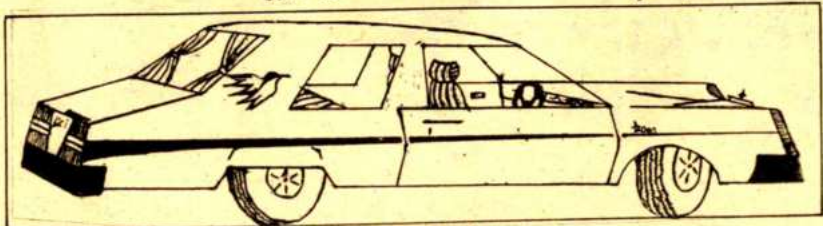
عاقب حسن خاں

صحت مند نونہال

محمد مصعب مجاہد، کراچی — ریحان احمد، کراچی

محمد خورشید عالم، واہ کینٹ — رضوان احمد، کراچی — محمد ہاشم راجپوت، شاہ پور چاکر — محمد اکرم بنگلوری، کراچی

ملک خوشی محمد اعوان، ہزارہ — جاوید اقبال، کراچی — سید مظاہر علی شاہ، لیہ — دانش منوّر

رفعت سجاد، کراچی — سید نجیب غالب، کراچی — طارق احمد صدیقی، کراچی — جاوید یوسف، کراچی

سید سہیل جواد، کراچی — غلام انور سومرو — پرنس روپی داس باگڑی، لطیف آباد — اکبر علی، کراچی

محمد مبشر اقبال پوار، ہری پور ہزارہ — محمد رضی، کراچی — یامین، ٹوبہ ٹیک سنگھ — سید سہیل مہدی رضوی، کراچی

رخسار احمد، کراچی — طاہر علی شاہ، واہ کینٹ — مقبول احمد، شاہ پور چاکر — سعید احمد، کراچی

محمد امین عبدالعزیز، کراچی — سہیل احمد، کراچی — محمد ریاض شاہد، پشاور — محمد زاہد، کراچی

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے ۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں : ع = عربی ، ف = فارسی ، ہ = ہندی ، س = سنسکرت ، ت = ترکی ، انگ = انگریزی ، الف = اردو ۔

خاصیت :(ع) خاصی یَت : خصلت ، وصف ، صفت اثر ، طبیعت ، خاص بات ۔

معالج :(ع) مُعَالِ جْ : علاج کرنے والا ، حکیم ، طبیب ۔

عصا :(ع) عَصَاْ : لاٹھی ، چھڑی ۔

آہ وفغاں :(ف) آہو فُغَاں : رونا پیٹنا ، نالہ و فریاد ، دادیلا ۔

دَستہ :(ف) دَسْ تَہْ : فوج کا ایک حصّہ ، لکڑی کا ڈنڈا جو کسی آلے کو پکڑنے کے لیے لگاتے ہیں ۔

ظُلمات :(ع) ظُلْ مَاتْ : ظُلمت کی جمع ، تاریکی ، اندھیرا ۔

سِتَم :(ف) سِ تَم : ظلم ، بے انصافی ، غضب ۔

فراوانی :(ف) فِ را وَانْی : کثرت ، اِفراط ، زیادتی ۔

پُرشکوہ :(ف) پُرْ شِ کوُہ : رعب داب والا ، بہت ہی شان دار ، پُرتکلّف ۔

خُلفا :(ع) خُ لَ فا : خلیفہ کی جمع ، نائب ۔

مُفکّر :(ع) مُفَکْ کِرْ : فکر کرنے والا ، سوچنے والا ۔

اِستطاعت :(ع) اِسْ تِطَاعَتْ : دسترس ، بساط ، مقدور ، اطاعت طلب کرنا ۔

نَوِید :(ف) نَ وِی د : خوش خبری ، مژدہ ، پیغام ۔

اِحتراز :(ع) اِح تِ رَاْزْ : پرہیز ، کنارہ کشی ، بچنا ۔

قاصر :(ع) قَا صِرْ : مجبور ، معذور ، کوتاہی کرنے والا ۔

افاقہ :(ع) اِ فَا قَہْ : تکلیف کم ہونا ، مرض میں کمی ہونا ۔

بےنَوا :( ) بے نَوَ ا : بے سامان ، بے کس ۔

مُدّعا :(ع) مُدْ دَ عَا : مقصد ، غرض ، مطلب ، مراد ، دعوا کی ہوئی چیز ۔

ناشاد :(ف) نَا شَا دْ : رنجیدہ ، ناخوش ، نامراد ، بدقسمت ۔

تعیّن :(ع) تَ عَی یُنْ : معیّن کرنا ، مخصوص ہونا ، وجود ۔

خنداں :(ف) خَنْ دَاںْ : ہنستا ہوا ، خوش ، ہنسانا ۔

خوابِ گراں :(ف) خابْ گِرَاں : گہری نیند ۔

بیکراں :(ف) بِے کَرَاںْ : بے حد ، بے انتہا ، جس کا کنارہ نہ ہو ۔

سَیلِ رواں :(ع) سَے لے رَواں : بہتا ہوا پانی ، طغیانی ۔

گہوارہ :(ف) گَہْ وَا رَ ہْ : ہنڈولا ، پالنا ، پنگوڑا ، بچّوں کو سلانے کا جھولا ۔

عبث :(ع) عَ بَثْ : فضول ، بے کار ، بے فائدہ ، بے وجہ ، ناحق ۔

اِستثنا :(ع) اِسْ تِثْ نا : علاحدہ ، الگ کرنا ، نکالنا ۔

اِحتیاج :(ع) اِحْ تِ یَاجْ : حاجت ، ضرورت ، غرض ۔

اپنی یادداشت بہتر بنائیے

شکیل احمد عزیزی

سلطان حیدر علی کے متعلق مشہور ہے کہ کسی محفل میں ہونے والی گفت گو اس کے حافظے میں کچھ اس طرح بس جاتی تھی کہ وہی باتیں سال دو سال بعد بھی حرف بہ حرف دُہرا سکتا تھا۔ اس قدر زبردست حافظہ رکھنے والے لوگ یقیناً صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ مشہور ماہر نفسیات پروفیسر کارل سیپر کا قول ہے، "انسان اپنی خداداد قوّتِ یادداشت بہ مشکل دس فی صد استعمال میں لاتا ہے۔" پروفیسر صاحب کی یہ بات بڑی حد تک ٹھیک ہے۔ روزمرّہ زندگی میں کسی کا نام یا کوئی چیز رکھ کر بھول جانے کی عادت اکثر مشاہدے میں آتی ہے۔ کون ہے جو اپنی یاد داشت بہتر بنانے کا متمنّی نہیں۔ ہم آپ کو یاد داشت بہتر بنانے اور قوّتِ حافظہ کی نشوونما کے چند طریقے بتاتے ہیں۔ یہ طریقے

ماہرینِ نفسیات کی تحقیقات کا نچوڑ ہیں۔ ان عملی طریقوں کو اپنا کر آپ خود حیران رہ جائیں گے۔ بہترین حافظہ آپ کی ہر دل عزیزی میں اضافے کے ساتھ ساتھ آپ کے سنہری مستقبل کی ضمانت بھی دیتا ہے۔

یاد کرنے کا سبب

ہر چیز دماغ میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کیجیے، بلکہ جو کچھ آپ یاد کرنا چاہتے ہیں اُسے دماغ میں رکھیے اور سوچیے کہ اُسے یاد کرکے آپ کس قسم کے فائدے اُٹھا سکتے ہیں۔ یہ سوچ بچار آپ کے اندر اس چیز کو یاد کرنے کی حقیقی ضرورت اور خواہش پیدا کردے گا۔

واضح اور گہرا تاثّر

مضمون ایک بار پورا پڑھ لیجیے، پھر کتاب بند کرکے اس مضمون کا واضح اور گہرا تاثّر لیجیے۔ اپنے آپ سے سوالات کیجیے: آخر یہ مضمون کیوں لکھا گیا؟ اس میں کون کون سی خامیاں رہ گئی ہیں؟ پڑھنے والوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ یہ تنقیدی جائزہ آپ کے اندر جو بات آپ یاد رکھنا چاہتے ہیں اُس کا گہرا اور واضح تاثّر پیدا کر دے گا۔ نفسِ مضمون آپ کے دماغ میں اُجاگر ہو جائے گا اور آپ اُسے آسانی سے یاد کر سکیں گے۔

لفظ بہ لفظ اَزبَر نہ کیجیے

لفظ بہ لفظ یاد کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ اس سے وقت بھی ضائع ہو گا اور وہ بات آپ کے حافظے میں زیادہ عرصے تک محفوظ نہ رہ سکے گی۔ اُسے دوسری یا تیسری بار دُہراتے یا لکھتے وقت آپ الفاظ کی بُھول بھلیوں میں اُلجھ کر رہ جائیں گے اور انسانی ذہن کے فطری عمل کے تحت آگے کے بجائے پیچھے کی طرف سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

دو ہزار سال قبل ہوریس نے کہا تھا:

"الفاظ کے پیچھے مت بھاگو، بلکہ خیالات کو تلاش کرو، خیالات کی بھرمار ہو گی تو الفاظ خود بہ خود بنتے چلے جائیں گے۔"

یک سوئی اور تنہائی

کسی بات کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھنے کے لیے مکمل یک سوئی ضروری ہے۔ دماغ سے ہر قسم کے خیالات جھٹک کر مطالعے میں محو ہو جائیں۔ اپنا دماغ بہ یک وقت مختلف خیالات کی آماجگاہ نہ بننے دیجیے۔ جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں، اسی طرح آپ کے دماغ میں بھی بہ یک وقت مختلف موضوعات سے متعلق مواد محفوظ نہیں رہ سکتا۔ توجہ مرتکز کرنے کے لیے تنہائی بھی ضروری ہے۔ شور و غُل یا کُھسر پُھسر میں آپ کے جمع شدہ خیالات منتشر ہو سکتے ہیں۔

با آواز مطالعہ

ابراہیم لنکن کی یاد داشت کا راز با آواز مطالعے میں پوشیدہ تھا۔ خاموش مطالعے کے بجائے آپ بُلند آواز سے پڑھیں تو اپنی بصری اور سمعی حِسّوں سے بہ یک وقت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

سرخیاں لگائیے

مضمون یاد کرتے وقت اُسے مختلف حصّوں میں تقسیم کر دیجیے اور اپنے طور پر عنوانات لگائیے۔ اس طرح آپ چند عنوانوں کی مدد سے پورے مضمون پر گرفت پالیں گے اور پھر محض انھی عنوانوں کے سہارے اپنے خیالات کی وضاحت بھی کر سکیں گے۔

لغت کا استعمال

مطالعہ کرتے وقت آپ کے پاس لغت کا ہونا ضروری ہے۔ نئے الفاظ کے معنی اس میں دیکھیے اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کرتے جائیے تاکہ وہ اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کی اصلیت تک پہنچنے کی کوشش کیجیے، مثلاً شکر انگریزی لفظ (SUGUR) سے نکلا ہے۔ انگریزی میں یہ لفظ فرانسیسی زبان سے

لیا گیا ہے۔ فرانسیسیوں نے ہسپانیوں سے، ہسپانیوں نے عربوں سے اور عربوں نے ایرانیوں سے لیا ہے۔ ایرانیوں نے سنسکرت کے ایک لفظ سرکار بہ معنی مٹھاس کو بگاڑ کر "شکر" بنا ڈالا تھا۔

تخیّل و تصوّر کا حصّہ

اگر آپ کوئی نام یا ٹیلے فون نمبر یا کار نمبر وغیرہ یاد رکھنا چاہتے ہیں تو اُسے دو دفعہ ذہن میں دُہرائیے۔ پھر اُسے کسی شخصیت ہجری سال یا عیسوی سال یا ہندسوں کی ترتیب کے لحاظ سے یاد رکھیے۔ مثلاً آپ کے دوست کا نام "اقبال حسین" ہے تو ذہن میں علاّمہ اقبال کا تصوّر لے آئیے۔ نمبر وغیرہ یاد رکھنے میں بس کے کنڈکٹروں کا حافظہ حیرت انگیز ہوتا ہے۔ ان کے ذہن میں بعض اوقات سیکڑوں نمبر محفوظ ہوتے ہیں۔ آپ نے اکثر ستائیس چالیس یا بارہ پچیس کہتے سُنا ہو گا، یہاں تک کہ وہ بسوں، ٹرکوں کے نمبر ڈرائیور کے ناموں کے ساتھ یاد رکھتے ہیں۔ دو دو حصّوں میں تقسیم کر کے ہم بھی نمبر یاد رکھ سکتے ہیں۔ کار نمبر ۱۸۵۷ کو برصغیر پاک و ہند کی پہلی جنگِ آزادی کے واسطے سے یاد رکھنے میں آسانی رہے گی۔ اسی طرح ہم اپنے طور پر کوئی سا تعلّق پیدا کر کے کسی چیز کو نسبتاً آسانی سے اپنے حافظے میں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

عملِ تکرار

ابتدائی جماعتوں کے اساتذہ "تکرار" کے عمل کو نہایت اہمیت دیتے ہیں اور یہ بہترین طرزِ تعلیم ہے، لیکن اس کا مطلب رَٹنا نہیں ہے۔ یہ طریقہ عموماً پہاڑے یاد کرنے یا حروفِ ابجد کی مشق کے دوران میں استعمال ہوتا ہے اور ہمیشہ کام یاب ہوتا ہے۔ کیا آپ نے ہر سال سیکڑوں طالبِ علموں کو قرآن مجید جیسی ضخیم کتاب ازبر کرتے نہیں دیکھا؟ یہاں اس غلط فہمی کا اِزالہ ضروری ہے کہ تکرار اور رٹنے کا عمل ایک ہے۔ تکرار کے عمل سے کسی بات کا مطلب آپ کے ذہن نشین ہو جاتا ہے، مگر رٹنے کے عمل میں معنی و مطلب تک پہنچے بغیر صرف الفاظ کی ترتیب دماغ میں ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی ہے، جو یاد تو ہو جاتی ہے لیکن عارضی طور پر۔

دماغ کی تازگی

تھکے ہوئے اور درماندہ دماغ میں کوئی چیز نہیں ٹک سکتی۔ بوجھل دماغ کے ساتھ کوئی چیز یاد نہ کیجیے۔ پابندیِ وقت کی عادت ڈالیے اور پوری نیند لیجیے۔ مطالعے کے لیے صبح کا وقت یا پھر آرام کے بعد کا وقت انتہائی مناسب سمجھا جاتا ہے۔

جسمانی صحّت

مثل مشہور ہے کہ "صحّت مند جسم ہی میں صحت مند دماغ پرورش پا سکتا ہے۔" اپنی جسمانی صحّت کی طرف توجہ دیجیے۔ اگر آپ تن درست ہیں تو صحیح معنوں میں مطالعہ کر سکیں گے۔ اس کے برعکس جسمانی طور پر کم زور ہیں تو آپ کا دل نہ لگے گا اور اگر زبردستی مطالعے کی طرف راغب ہوں گے تو جلد ہی سُستی اور تھکن آپ پر غالب آجائے گی۔ خیالات منتشر ہو جائیں گے اور آپ سَر درد یا ہاضمہ خراب ہونے کی شکایت کرنے لگیں گے۔ طبیعت مضمحل ہو جائے گی اور اُکتاہٹ محسوس ہونے لگے گی۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں جو مطالعہ آپ کریں گے وہ فائدہ مند ثابت نہ ہو گا۔

ممکن ہے کہ شروع میں ان اصولوں پر عمل کرتے وقت اُکتاہٹ محسوس ہو، لیکن یقین کریں کہ یہ کیفیت عارضی ہو گی۔ جلد ہی آپ کو بھرپور مسرت کا احساس ہو گا۔ پھر آپ اکثر سوچا کریں گے کہ کاش، ان اصولوں پر چند برس پہلے عمل کیا ہوتا۔

****

بوجھو تو جانیں ـــــ پچھلے مہینے کے جوابات

(۱) انتظار کی گھڑیاں (وقت) (۲) وہ شخص درزی ہے۔ (۳) دُور کی کوڑی ـ یہ محاورہ ہے جس کے معنی ہیں انوکھی بات (۴) ا۔ دونوں کے بازو اور گلا ہوتا ہے۔ ب۔ پگھل جاتے ہیں۔ دِل پگھلنا کے معنی ہیں رحم کرنا۔ (۵) حقّہ (۶) ع م ر یعنی عمر (۷) وقت۔

عارف پہ کیا گزری ــــ پچھلی قسطوں کا خلاصہ

عارف اور سلمٰی بچپن میں ہی یتیم ہو چکے تھے۔ ان کی پرورش ان کے چچا اور چچی نے کی تھی۔ چچا اور چچی بڑے ظالم تھے۔ وہ بات بات پر دونوں بھائی بہن کو مارتے اور ڈانٹتے ڈپٹتے۔ چچی جان ان پر سب سے زیادہ ظلم ڈھاتیں۔ چچا سلمان سب کچھ دیکھتے لیکن چپ رہتے۔ دونوں بھائی بہن خاموشی سے ظلم سہتے اور اپنی ماں کو یاد کر کے روتے رہتے۔ ایک دن چچی جان عارف کو اس قدر مارتی ہیں کہ وہ بے حال ہو جاتا ہے اور اس کے لیے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں رہتا کہ وہ اپنی بہن سلمٰی کو ساتھ لے کر اپنی نانی جان کے گھر روانہ ہو جائے۔ نانی جان دوسرے شہر میں رہتی ہیں۔ ان کے گھر سے چلے جانے سے چچی جان بہت خوش ہوتی ہیں، لیکن چچا سلمان کو اچانک معلوم ہوتا ہے کہ عارف کو اس کے والد کے بیمے کا دو لاکھ روپیہ ملنے والا ہے۔ اس کے والد نے پردیس جانے سے قبل اپنی زندگی کا بیمہ کروایا تھا۔ ان کی وفات کے بعد عارف اور سلمٰی اس رقم کے حق دار تھے۔ چچی جان کو جب معلوم ہوتا ہے کہ عارف اور سلمٰی بہت بڑی رقم کے مالک بن گئے ہیں تو اُن دونوں کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ اخبارات میں اشتہارات دیے جاتے ہیں اور اعلان کیا جاتا ہے کہ جو شخص انھیں تلاش کر کے لائے گا یا ان کا پتا بتائے گا انھیں دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔

عارف اور سلمٰی ان باتوں سے بے خبر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ انھیں سفر کے دوران مختلف قسم کے لوگوں کا سامنا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انھیں ریل میں ایک ایسے مرد اور عورت سے پالا پڑتا ہے جو بچّوں کا اغوا کرتے ہیں اور ہاتھ پاؤں توڑ کر ان سے بھیک منگواتے ہیں۔ یہ دونوں مرد عورت، سلمٰی اور عارف کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ گھر لے جاتے ہیں۔ اتفاق سے انھیں ان کا ایک ہم عمر لڑکا مل جاتا ہے جنھیں ان لوگوں نے بھیک مانگنے کے لیے معذور کر دیا تھا۔ وہ انھیں سارے راز بتا دیتا ہے اور عارف سلمٰی کو لے کر وہاں سے کسی طرح فرار ہونے میں کام یاب ہو جاتا ہے۔

عارف اور سلمٰی کو معلوم ہو چکا تھا کہ چچا سلمان نے ان کو تلاش کرنے کے لیے اخبارات میں اشتہار چھپوایا ہے چناں چہ وہ لوگوں کی نظروں سے بچتے ہوئے ایک اجنبی مقام پر پہنچے جہاں ان کو ایک خطرناک فقیر ملا، جس نے انھیں لوٹ لیا۔ وہ اس کے پنجے سے بڑی مشکل سے نکل سکے۔ راستے میں عارف نے ایک بچّی کو تیز رفتار موٹر کی زد میں آنے سے بچا لیا جس کی وجہ سے بچّی کی والدہ بہت خوش ہوئیں اور انھیں اپنے گھر لے گئیں۔ عارف کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ بھی لال پگڑی والے کی طرح جرائم پیشہ نہ ہوں، لیکن اس کی غلط فہمی جلد دُور ہو گئی۔ یہ لوگ بہت ہی ہمدرد اور نیک تھے۔ انھوں نے عارف اور سلمٰی کو ان کی نانی جان تک پہنچانے میں مدد کی۔

عارف اور سلمٰی نواز کے ہاں سے رخصت ہونے کے بعد تھوڑی دُور ہی پہنچے تھے کہ انسپکٹر فراز مل گیا جو نواز کے گھر سے ہوتا ہوا تلاش کرتے وہاں پہنچا تھا۔ عارف نے پہلے تو بھاگنے کی کوشش کی، لیکن جب ناکام ہو گیا تو اس نے ایک نوکیلا پتھر اس کی پیشانی کی جانب تاک کر مارا جو سیدھے فراز کی پیشانی میں لگا اور وہ چکرا کر بے ہوش ہو گیا اور وہ دونوں وہاں سے فرار ہو گئے اور ایک ہمدرد لڑکے موتی کے ساتھ اس کے قبیلے میں پہنچ گئے۔ موتی کے ماں باپ انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انھیں فروخت کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ موتی کو جب ان کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے عارف کو وہاں سے فرار ہو جانے میں مدد کی اور وہ ایک بار پھر بُرے لوگوں کے چنگل سے نکلنے میں کام یاب ہو گئے۔

سلسلے وار کہانی

آٹھویں قسط

عارف پہ کیا گزری

مہروز اقبال

"ہم تمھیں یہاں سے بہت دور لے جا کر چھوڑے گا۔ وہاں سے کوئی تم کو نہیں پکڑے گا۔" عارف نے کہا، "وہاں سے ہمیں خالد آباد جانے کے لیے کس طرف جانا ہوگا؟"

موسیٰ نے جواب دیا، "ہم کو اس کا خبر نہیں۔ ہم تم کو اُدھر چھوڑے گا۔ وہاں سے تم خود جانا۔" عارف اب ایک اور مشکل میں پڑ گیا تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ موسیٰ کا ممنون تھا کہ اس نے انھیں خطرے سے نکالا۔

بہت دیر تک گاڑی جنگل کے پُرخطر راستے پر چلتی رہی۔ ابھی تک انھیں کوئی ناخوشگوار حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ جب گاڑی ایک طرف مُڑی تو اچانک اس کا پہیا کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ ایک زور دار جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ سلمیٰ جاگ گئی، "کیا ہوا بھیّا؟" عارف نے جواب دیا، "معلوم نہیں۔"

موسیٰ لالٹین لے کر نیچے اُترا، پھر اس نے عارف سے بھی نیچے اُترنے کے لیے کہا۔ گاڑی کے پہیے کے آگے ایک بہت بڑا پتھر تھا۔ اسی سے ٹکرا کر گاڑی رُکی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک بہت گہرا گڑھا تھا۔ اگر گاڑی اُلٹ کر اس میں گر جاتی تو اُن میں سے کوئی زندہ نہ بچتا۔ عارف اور موسیٰ نے زور لگایا اور بڑی مشکل سے وہ گاڑی کو وہاں سے ہٹا سکے۔ دونوں پھر سوار ہوئے اور گاڑی چل پڑی۔ تھوڑی دیر بعد انھیں ایک دریا ملا۔ گاڑی اس کے کنارے کنارے چلتی رہی۔ کچھ دُور جانے کے بعد موسیٰ نے گاڑی روک دی اور بولا، "اب تم اپنی بہن کو لے کر اِدھر اُتر جاؤ۔" یہ سُنتے ہی عارف اور سلمیٰ اپنے تھیلوں کو ہاتھ میں لیے گاڑی سے زمین پر کُود پڑے۔ موسیٰ نے عارف سے ہاتھ مِلاتے ہوئے کہا، "اچھا دوست، اب ہم جاتا ہے۔ اِدھر ڈرنے کا کوئی بات نہیں۔ صبح تم یہاں سے چلے جانا۔" اس نے ان دونوں کو کمبل بھی دے دیا۔ پھر وہ گدھے کو موڑ کر واپس جانے لگا۔ اچانک عارف نے اسے آواز

دی، "موسیٰ رُک جاؤ۔" وہ رُک گیا۔ عارف دوڑتا ہوا اس کے پاس گیا۔ اپنی انگلی سے انگوٹھی اُتار کر موسیٰ کو دیتے ہوئے کہا، "تم نے ہم پر بڑی مہربانی کی ہے۔ دوستی کا حق خوب نبھایا۔ یہ تمھارے دوست کی نشانی ہے۔ اسے پہن لو، یہ تمھاری چھوٹی انگلی میں آجائے گی۔"
موسیٰ نے خوشی سے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی اور رخصت ہو گیا۔ دونوں بھائی بہن اس جگہ اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک موسیٰ کی گاڑی کی لالٹین کی روشنی انھیں نظر آتی رہی۔

وہ جگہ عارف کو قطعی پسند نہ تھی۔ اب بھی بدستور گھُپ اندھیرا تھا۔ چیزیں صاف نظر نہیں آرہی تھیں۔ ماحول پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس خاموشی میں دریا کے بہنے کی آواز دِل کو دہلا رہی تھی۔ اندھیرے میں وہ وہاں سے کہیں جا بھی نہیں سکتے تھے۔ عارف نے اللہ کا نام لیا، موسیٰ کا دیا ہوا کمبل زمین پر بچھایا، ایک طرف تھیلے رکھے اور سلمیٰ کو لٹا دیا۔ سلمیٰ اب مشکلات اور خطروں کی عادی ہو چکی تھی، لیٹتے ہی سو گئی۔ خود عارف نے ایسی اندھیری رات میں سونا مناسب نہ سمجھا۔ وہ کمبل پر ایک طرف بیٹھ گیا۔

ابھی اسے بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی قریب ہی زور زور سے سانس لے رہا ہے۔ اسے اپنے بدن میں سرد لہر سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ خوف سے ہاتھ پاؤں پھول گئے، لیکن وہ ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو بالکل تیار کر چکا تھا۔

سانسوں کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ہانپ رہا ہو۔ عارف نے ٹارچ نکالی اور اُس کی روشنی کی مدد سے اس نے چاروں طرف دیکھا، لیکن وہاں پر جھاڑیوں، درختوں، پتھروں اور گڑھوں کے علاوہ اُسے کچھ نظر نہیں آیا۔ کبھی آواز مدھم پڑ جاتی، کبھی ایسا لگتا کہ کوئی اُن کے قریب ہی زور زور سے سانس لے رہا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، عارف کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے درختوں کے اوپر اور قریب کے ایک دو گڑھوں میں ٹارچ کی روشنی پھینک کر دیکھا، لیکن وہاں بھی اسے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی۔ پھر ہوا کا رُخ بدلا اور عارف کو محسوس ہوا کہ اُن کے قریب ایک بڑے پتھر سے آواز آ رہی ہے۔ وہ دھڑکتے دل اور کانپتے بدن سے اس پتھر کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی اس نے پتھر کی دوسری طرف ٹارچ کی روشنی سے دیکھا تو اس کے منھ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ ایک لمحے کے لیے عارف کو ایسا لگا جیسے اُس میں حرکت کرنے کی سکت نہیں ہے۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں پولیس کا ایک سپاہی خون میں لت پت پڑا ہے۔ پہلے وہ اُسے انسپکٹر فراز سمجھا، لیکن جب اس نے اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی دوسرا پولیس والا ہے۔ زخمی سپاہی نے آنکھیں کھول کر عارف کی طرف دیکھا، کچھ کہنے کے لیے اپنا منھ کھولا، لیکن کچھ کہہ نہ سکا اور دَم توڑ دیا۔ خوف سے عارف کا چہرہ سفید ہو گیا، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ وہ اس جگہ سے واپس سلمٰی کے پاس جانے کے لیے مُڑا ہی تھا کہ اس کی نظر اچانک سپاہی کے قریب پڑے ہوئے ایک بٹوے پر پڑی، اس نے بغیر سوچے سمجھے اس بٹوے کو اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ احتیاط سے چاروں طرف دیکھتا ہوا سلمٰی کے پاس کمبل پر جا بیٹھا۔ اس کا دل خوف سے ابھی تک دھڑک رہا تھا۔ وہ اس جگہ سے فوراً بھاگ جانا چاہتا تھا، لیکن اندھیری رات اور اس خطرناک جنگل میں ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ وہ بڑی بے چینی سے صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

عارف کو بہت زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ جلد ہی اندھیرا چھٹنے لگا۔ اُسے بڑا اطمینان ہوا، تھوڑی دیر میں سورج روشنی اور حرارت پھیلانے لگا۔ اس نے سلمیٰ کو جگایا۔ دونوں تھیلے ہاتھ میں لیے، کمبل کو طے کر کے سر پر رکھا اور دونوں بہن بھائی مشرق کی طرف تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے چل پڑے۔ عارف کو امید تھی کہ وہ اگر مشرق کی طرف بڑھتے گئے تو خالد آباد یا اس کے آس پاس کے کسی قصبے میں پہنچ جائیں گے، جہاں سے رحمان پور زیادہ دُور نہیں ہوگا۔

وہ مسلسل چل رہے تھے۔ جنگل کا ماحول، ٹھنڈی ہوا اور صبح کا پُر فضا منظر ہونے کی وجہ سے انھیں بڑا مزہ آ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں انھیں بھوک لگنے لگی۔ عارف نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کہ شاید کہیں کوئی پھل دار درخت نظر آجائے، لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی۔ دُور دُور تک وہاں کوئی ایسا درخت موجود نہ تھا۔ جگہ جگہ خود رُو پودے، خشک جھاڑیاں اور لمبی لمبی گھاس تھی۔ وہاں انھیں ابھی تک نہ کوئی جنگلی جانور ہی ملا تھا اور نہ کسی انسان کی شکل نظر آئی تھی۔

کئی گھنٹے چلتے رہنے کے بعد وہ ایک کھلے میدان میں پہنچے، جہاں آس پاس کچھ اُونچے اُونچے سایہ دار درخت سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ کچھ فاصلے پر جھیل بھی تھی۔ اب دھوپ میں تیزی آگئی تھی۔ انھیں گرمی محسوس ہونے لگی۔ عارف نے کچھ دیر اُس جگہ ٹھیرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک درخت کے سائے میں کمبل بچھایا، تھیلے رکھے اور دونوں بھائی بہن بیٹھ گئے۔

عارف کے کانوں میں بطخوں کے قیں قیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا، اُسے معلوم ہو گیا کہ یہ آواز جھیل سے آرہی ہے۔ وہ فوراً جھیل کے پاس پہنچا۔ یہ بہت بڑی جھیل تھی۔ اس کا پانی صاف تھا، جو سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس میں بے شمار بڑی بڑی بطخیں تیر رہی تھیں۔ اتنی بڑی اور خوب صورت بطخیں اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ وہ انھیں پکڑنا چاہتا تھا، لیکن اُن میں سے کوئی بھی کنارے پر نہ آئی۔ اُس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ دوڑتا ہوا سلمٰی کے پاس آیا۔ تھیلے سے بچا ہوا ڈبل روٹی کا ٹکڑا نکالا اور واپس جھیل کے کنارے آگیا۔ اُس نے روٹی کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا بطخ کو دکھا کر کنارے پر پھینکا۔ بطخ روٹی کا ٹکڑا دیکھتے ہی کنارے پر آئی۔ عارف نے جھپٹا مار کر اس کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور ذرا دُور لے جاکر چاقو سے حلال کر دیا، پھر دوبارہ جھیل پر گیا۔ روٹی کا دوسرا ٹکڑا ڈالا، پہلی بطخ کی طرح دوسری بھی کنارے پر آئی۔ اس نے اس کو بھی اسی طرح پکڑا اور ذبح کر ڈالا۔ پھر اس نے چاقو سے دونوں بطخوں کی کھال اُتارنے کے بعد گوشت کے ٹکڑے کیے اور جھیل کے پانی سے دھو کر سلمٰی کے پاس آیا۔ سلمٰی نے جلدی جلدی کچھ پتھر اکھٹے کر کے چولھا بنایا اور اس میں خشک پتّے اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں ڈال دیں۔ عارف نے لائٹر سے آگ جلائی اور بطخ کا گوشت اچھی طرح بھون لیا۔ جسے دونوں نے بڑے مزے لے لے کر کھایا۔ ان کا پیٹ بھر گیا اور بہت سا گوشت بچ گیا، جسے انھوں نے تھیلے میں ڈال دیا، پھر دونوں بھائی بہن جھیل میں پانی پینے گئے۔ وہ جگہ اُنھیں بہت پسند آئی۔

عارف نے کچھ دیر جھیل کے کنارے ٹہلنے کا فیصلہ کیا۔ وہ ابھی زیادہ دُور نہیں گئے تھے کہ عارف کو کسی کے قدموں کے نشانات نظر آئے، لیکن وہاں دُور دُور تک کوئی نظر نہ آیا۔ کچھ دُور تک وہ ان نشانات کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ عارف کو کسی بڑی جیپ یا ٹرک کے پہیّوں کے نشان

دکھائی دیے۔ اس نے اس کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی۔ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد دونوں اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ دوپہر ہو چکی تھی، عارف کی آنکھیں نیند کی وجہ سے بند ہونے لگیں۔ اس نے سلمیٰ سے کہا، "میں تھوڑی دیر کے لیے سو رہا ہوں، تم جاگتی رہنا۔ اگر خطرے کی کوئی بات ہو تو مجھے فوراً جگا دینا۔"

سورج مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا۔ شام ہونے میں ابھی کافی دیر تھی۔ سلمیٰ نے خوف سے ایک زور کی چیخ ماری، جس سے عارف کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھبرا کر پوچھا، "کیا بات ہے؟" وہ کچھ نہ بولی۔ آنکھیں بند کیے خوف زدہ بیٹھی رہی۔ عارف نے پھر پوچھا، "کیا ہوا سلمیٰ، کس چیز سے ڈر گئیں؟" اس نے آنکھیں کھولیں اور پھر خوف سے چیخی۔ ہاتھ سے جھیل کی طرف اشارہ کیا۔ عارف نے جب اس طرف دیکھا تو وہ بھی خوف زدہ ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ جھیل کے کنارے ایک بہت بڑا خوں خوار بھیڑیا پانی پی رہا ہے۔ اس نے بھیڑیوں کی تصویر تو ضرور دیکھی تھی، لیکن ایسا خوف ناک بھیڑیا پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ عارف کو ڈر تھا کہ اگر بھیڑیے نے ان کو دیکھ لیا تو وہ ان دونوں کو ہلاک کیے بغیر نہیں رہے گا۔ اس نے جلدی جلدی تھیلے اُٹھائے، کمبل طے کر کے کندھے پر ڈالا اور سلمیٰ کو لے کر تیز تیز وہاں سے چل دیا۔ وہ جلد سے جلد اس جگہ سے دُور چلے جانا چاہتا تھا۔ ناہموار راستے، جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان میں سے انھیں تیز چلنے میں کافی دشواری ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد سلمیٰ کے پاؤں دُکھنے لگے۔ عارف چوں کہ اس وقت تازہ دم تھا، اس نے سلمیٰ کو شانے پر اُٹھا لیا اور دوڑنے لگا۔

وہ کچھ دیر تک برابر دوڑتا رہا، لیکن کوئی ایسی چھپنے کی جگہ نہ ملی جہاں وہ بھیڑیے سے بچ سکے۔ وہ مسلسل دوڑے جا رہا تھا۔ اُس نے ایک دو بار پیچھے مُڑ کر دیکھا کہ کہیں بھیڑیا اُن کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔ جب وہ دُور دُور تک نظر نہ آیا تو اسے اطمینان ہو گیا، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اس نے دُور سے بھیڑیے کے چلّانے کی آواز سُنی۔ سلمیٰ چونک پڑی۔ خوف سے اس نے اپنے بھائی کو زور سے پکڑ لیا۔ قریب ہی بہت سے اونچے اونچے درخت تھے۔ عارف نے سوچا کہ اگر وہ اُن درختوں پر سے کسی پر چڑھ جائے تو وہ بھیڑیے کے حملے سے محفوظ

رہ سکتے ہیں، لیکن فوراً ہی اسے ارادہ بدلنا پڑا، کیوں کہ ان درختوں کے تنے بالکل سیدھے تھے اور ان کے آس پاس خار دار چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ سلمٰی کو لے کر درخت پر چڑھنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ اب وہ کیا کرے۔ اگر اُسے کوئی چھپنے کی محفوظ جگہ نہ ملی تو وہ دونوں یقیناً مارے جائیں گے۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے درختوں کے درمیان میں دوسری طرف کوئی چمکتی ہوئی چیز نظر آئی۔ یہ کوئی شیشے کی قسم کی چیز تھی، جس پر ڈوبتے سورج کا عکس پڑ رہا تھا۔ عارف نے سوچا کہ اسے فوراً وہاں جا کر اس چیز کو دیکھنا چاہیے۔ وہاں کوئی نہ کوئی آدمی بھی ضرور ہو گا جو اُن کو بھیڑیے سے بچا لے گا۔ لہٰذا وہ دوڑتا ہوا اس چمکتی ہوئی چیز کے قریب پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ایک بڑا سا ٹرک کھڑا ہے۔ اس کے سامنے والے شیشے پر سورج کی روشنی پڑ رہی تھی۔ ٹرک میں کوئی آدمی نہیں تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن کہیں بھی کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ پھر اچانک اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ اگر بھیڑیا قریب آیا، تو وہ ٹرک کا ہارن بجا دے گا۔ ہارن کی آواز سے بھیڑیا ڈر کے بھاگ جائے گا۔

وہ خوشی خوشی ٹرک کے قریب گیا اور اس کا دروازہ کھولنے لگا، لیکن اسے یہ جان کر سخت مایوسی ہوئی کہ دروازہ بند تھا۔ اتنے میں پھر اُسے دُور سے بھیڑیے کے چلّانے کی آواز سنائی دی۔ وہ خوف سے کانپنے لگا۔ کچھ دیر سوچتا رہا۔ اس کے بعد اسے بھیڑیے سے بچنے کی ایک اور تدبیر سمجھ میں آئی۔ اُس نے دونوں تھیلے اور کمبل زمین پر پٹخنے اور سلمیٰ کو لے کر ٹرک کے پچھلے حصّے پر چڑھ گیا۔ تقریباً آدھا ٹرک خالی بوریوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں اتنی جگہ تھی کہ وہ دونوں اس میں آسانی سے چُھپ سکتے تھے۔ سلمیٰ کو وہیں چھوڑ کر وہ دوبارہ زمین پر کُودا۔ کمبل اور تھیلے اُٹھائے، پھر ٹرک پر چڑھ گیا۔ کچھ خالی بوریوں کو ایک طرف کیا، کمبل بچھایا۔ سرہانے تھیلے رکھے اور وہ دونوں آرام سے لیٹ گئے۔ اس نے اپنے اوپر اس طرح بوریاں ڈال لیں کہ اگر وہاں بھیڑیا آبھی جاتا تو وہ انھیں ہرگز نہ دیکھ پاتا۔ البتہ عارف اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ وہ ٹرک کی دراز میں سے باہر کی طرف جھانک سکتا تھا۔

کافی دیر گزر گئی۔ عارف کو وہاں نہ تو بھیڑیا نظر آیا اور نہ دوبارہ اس کی آواز سُنائی دی۔ سلمیٰ بے خبر سو رہی تھی۔ عارف سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ ٹرک سے اُتر کر کیا پھر اپنا سفر جاری رکھے یا ٹرک ہی میں رہ کر ڈرائیور کا انتظار کرے۔ جب وہ آجائے تو اس سے رحمان پور کا پتا پوچھے۔ ابھی وہ کچھ فیصلہ کرنے بھی نہ پایا تھا کہ اس نے ایک شخص کو ٹرک کے قریب آتے ہوئے دیکھا۔ پہلے وہ اُسے نہ پہچانا، لیکن جب وہ قریب آیا تو عارف کا خوف سے بُرا حال ہو گیا۔ وہ بے حس و حرکت دَم سادھے اپنی جگہ پڑا رہا۔ یہ شخص لال پگڑی والا تھا جو اُنھیں ریل میں اپنی بیوی کے ساتھ ملا تھا اور جسے ارشد نے منشی کہا تھا، لیکن اس وقت وہ شلوار اور قمیض کے بجائے کوٹ اور پتلون میں ملبوس تھا۔ پگڑی غائب تھی، بال بنے ہوئے تھے اور آنکھوں پر سیاہ عینک لگی ہوئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ٹرک حرکت میں آیا، پہلے آہستہ آہستہ چلنے لگا، پھر کچھ دُور جا کر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ اونچے نیچے راستے پر چلتا رہا جس سے انھیں جھٹکے لگتے رہے۔ اتنے میں سلمیٰ جاگ گئی۔ عارف نے اُس کے کان میں آہستہ سے کہا، "بالکل آواز مت نکالنا۔ اسی طرح خاموش پڑی رہو۔"

(جاری ہے)

مُسکراتے رہو

ایک خاتون کو اپنے شوہر کے لیے قمیض خریدنی تھی۔ دُکان دار نے کالر کا سائز پوچھا، بس یوں سمجھ لیں، میرا ہاتھ اُن کی گردن کے گرد پورا آجاتا ہے۔ مرسلہ: ثروت یعقوب، لاہور

مسافر: اگر سب گاڑیاں لیٹ ہیں تو اس ٹائم ٹیبل کا کیا فائدہ؟

انکوائری کلرک: جناب، اگر گاڑیاں وقت پر آنے لگیں تو آپ پوچھیں گے اس ویٹنگ روم کا کیا فائدہ؟ مرسلہ: محمد خالد محبوب خان، کراچی

شوہر کے دِل کی بیماری سے پریشان بیوی کو ایک ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ وہ اپنے شوہر کا دل بدلوا دے۔ بیوی راضی ہوگئی۔ ڈاکٹر نے اپریشن کر کے دِل بدل دیا۔

چند دِنوں کے بعد بیوی ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچی اور کہنے لگی، "ڈاکٹر صاحب، غضب ہو گیا میرے شوہر بالکل بدل گئے ہیں۔ پہلے جیسے نہیں رہے۔ پہلے وہ مجھ سے جو وعدے کرتے تھے ان کو پورا کرتے تھے۔ اب یہ حالت ہے کہ وہ وعدے تو بہت کرتے ہیں، مگر کوئی بھی وعدہ پورا نہیں کرتے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا، "محترمہ، اس وقت میرے پاس کسی عام آدمی کا دِل نہیں تھا اس لیے میں نے اُن کے ایک لیڈر کا دل لگا دیا تھا۔" مرسلہ: عابدہ رانی عابی، کراچی

مالک مکان: تمام مزدور بارہ بارہ اینٹیں لاتے ہیں، لیکن تم صرف چھے اینٹیں لاتے ہو؟

مزدور: صاحب، یہ تمام کام چور اور حرام خور ہیں دوسرا پھیرا کرنے سے جی چُراتے ہیں۔

مرسلہ: محمد ساجد، ملک وال

دو سکھ رات کے وقت ایک کھلے میدان میں جا رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں ٹارچ تھی جس سے دونوں راستہ دیکھ رہے تھے۔ یکایک ٹارچ والے نے ٹارچ کا رُخ اوپر کر دیا اور بولا، "سردار

جی، آپ کو اس وقت مانوں گا جب آپ اس پر چڑھ کر دکھائیں گے۔" دوسرے نے کچھ سوچا اور جواب دیا، "واہ جی واہ! کیا میں بے وقوف ہوں، ہیں اوپر چڑھوں اور تم نیچے سے ٹارچ بجھا دو۔"

مرسلہ: ندیم الحسن برنی، کراچی

جج: تم نے اس کے منھ پر گھونسا کیوں مارا؟

ملزم: جناب، اس نے آج سے دو سال پہلے مجھے گینڈا کہا تھا۔

جج: دو سال پہلے کہا تھا تو آج کیوں مارا؟

ملزم: جناب، میں نے آج ہی گینڈا دیکھا ہے۔

مرسلہ: عبدالمجید نواز پردیسی، سکھر

اسلم نے اپنے بے کار دوست سے پوچھا، "صرف جیب میں ہاتھ ڈال کر مارے مارے پھرنے سے کیا تمھاری زندگی بسر ہو سکتی ہے؟"

وہ بولا، "بے شک! بشرطیکہ اپنا ہاتھ دوسروں کی جیب میں ہو۔" مرسلہ: یاسین قریشی راہی، حیدرآباد

کرایہ دار (مالک مکان سے): جناب، آپ کی عمارت میں اوپر والی منزل پر جو عورت رہتی ہے وہ ہر وقت اپنے شوہر سے لڑتی رہتی ہے، جس سے پڑوسیوں کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ مالک مکان ہونے کی حیثیت سے اسے سمجھائیں۔

مالک مکان نے غور سے اس کی بات سنتے ہوئے کہا، "کیا آپ اس عورت کے پڑوسی ہیں؟"

کرایہ دار نے جواب دیا، "جی نہیں! میں اس عورت کا شوہر ہوں۔" مرسلہ: صہیب عالم چشتی، کراچی

دہلی کے ایک مشاعرے میں عبدالحمید عدم مرحوم پنڈت ہری چند اختر کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے اور کہنے لگے، "پنڈت جی! مجھے پہچانا؛ میں عدم ہوں۔"

پنڈت جی عدم کا موٹا تازہ جسم دیکھتے ہوئے مسکرائے، "اگر یہی عدم ہے تو وجود کا کیا ہو گا؟"

مرسلہ: پرویز عالم، سکھر

استاد شاگرد سے: بتاؤ، انگریزوں نے ہندستان میں پہلا قدم رکھنے کے بعد کیا کیا؟"

شاگرد: "جی، انھوں نے دوسرا قدم رکھا۔"

مرسلہ: ندیم منان، کویت

ایک انسپکٹر اسکول، اسکول کا معائنہ کرنے والے تھے۔ استاد نے لڑکوں کو مختلف سوالات کے جوابات رٹا دیے تھے۔ اسلم کے ذمے یہ سوال تھا، "ہمیں کس نے بنایا؟" جواب تھا، "ہمیں خدا نے بنایا ہے۔" اتفاقاً معائنے کے دن اسلم غیر حاضر تھا۔ انسپکٹر نے کلاس سے سوال کیا، "ہمیں کس نے بنایا ہے؟" سب بچے خاموش رہے۔ انسپکٹر اسکول نے سوال دہرایا تو بچے نے جواب دیا، "جسے خدا نے بنایا تھا آج وہ غیر حاضر ہے۔" مرسلہ: مدثر ماجد، کراچی

نونہال ادیب

حمد

مرسلہ: حافظ احمد ولی اللہ ارباب سکھر

خار زاروں کو دی کھٹک تُو نے
اور پھولوں کو دی مہک تُو نے

چاند تاروں کو روشنی بخشی
اور جگنو کو دی چمک تُو نے

کتنے دریا نواز قطرے ہیں
اور شعلوں کو دی لپک تُو نے

باز کو دی بلند پروازی
ننھی چڑیا کو دی چہک تُو نے

رقص کرنے لگا شجر ارباب
ایسی شاخوں کو دی لچک تُو نے

نعت

مرسلہ: فرحان خیری، میر پور خاص

ہمارے نبیؐ احمدِ مصطفےٰ ہیں
فدا اُن پہ ہم وہ رسولِ خدا ہیں

حقیقت کی صورت دکھائی انھوں نے
خدا تک پہنچنے کا وہ راستہ ہیں

وہی بے کسوں بے نواؤں کے والی
غریبوں یتیموں کا وہ آسرا ہیں

ہوئے ہیں جو اُن کی محبت کے قیدی
وہی آرزو ہیں وہی مُدّعا ہیں

نظر اُن سے کیا اپنے دل کی کہیں ہم
وہ سب جانتے ہیں وہ خوب آشنا ہیں

وقت کی اہمیت

نجمہ پروین، لاڑکانہ

انسان کے لیے وقت بہت اہمیت رکھتا ہے۔ وقت ایک ایسا پہیا ہے جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتا۔ وقت کو ضائع کرنے والا بڑا بدنصیب ہوتا ہے۔ صرف دنیاوی طور پر وقت کی پابندی ضروری نہیں بلکہ دینی اعتبار سے بھی بہت اہم اور ضروری ہے۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ اسلام میں پانچ وقت کی نماز رکھی گئی ہے اور اس کی پابندی ازحد ضروری ہے۔ انسان وقت کی پابندی سے دنیا میں بھی کامیاب رہتا ہے اور دین میں بھی۔ جو انسان وقت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنا سب کچھ کھو دیتا ہے۔ وہ دنیا میں بھی ناشاد رہتا ہے اور آخرت میں بھی۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

وقت کی پابندی ہر شخص کے لیے لازمی اور مفید ہے۔ جو طالبِ علم خاص طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی امتحان میں کافی وقت ہے بعد میں پڑھ لیں گے وہ سخت غلطی کرتے ہیں اور اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں، پھر یہی طالبِ علم امتحانات سے کچھ عرصہ قبل پڑھتے ہیں، وقت کم ہوتا ہے اور اس کم وقت میں وہ زیادہ نہیں پڑھ پاتے۔ نتیجۃً بعد میں پچھتاتے ہیں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کیا۔

انسان کو کوئی کام کرنے سے قبل وقت کا تعین کرنا چاہیے اور وہ کام وقت پر انجام دینا چاہیے اس طرح اسے آسانی ہوتی ہے اور یہ وقت کا سود مند استعمال بھی ہے۔

بہادر شانی

عظمیٰ صدیقی، انچولی

کسی زمانے میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک چرواہا رہتا تھا۔ اس کا ایک پیارا سا بہادر لڑکا تھا۔ اس کا نام شانی تھا۔ شانی کی ماں مر چکی تھی اور وہ اپنے باپ کے ساتھ رہتا تھا اور بھیڑیں چرانے جنگل میں جاتا تھا۔ ایک دن ایک بھیڑیے نے ان کی بھیڑوں پر حملہ کر دیا۔ شانی کے باپ نے بھیڑیے کا مقابلہ کیا اور بھیڑیے کو جان سے مار دیا، لیکن بھیڑیے کے تیز دانتوں کی وجہ سے وہ خود بھی اتنا شدید زخمی ہو چکا تھا کہ فوراً مر گیا۔ یہ خبر جب گاؤں والوں کو ملی تو شانی کی خالہ نے اس کو اپنے گھر میں اپنے بچّوں کی طرح رکھا، لیکن چند ماہ بعد اس کی خالہ بھی مر گئی۔ شانی کی عمر ۱۱۔۱۲ سال کی تھی۔ خالہ کے مرنے کے بعد اس کے بچّوں نے شانی کو گھر سے نکال دیا، کیونکہ وہ اس کی بہادری اور خوب صورتی سے جلتے تھے انھوں نے اس کے جانوروں اور بھیڑوں پر قبضہ کر لیا۔ شانی گھر سے نکل کر چلتے چلتے جنگل میں پہنچ گیا۔ جنگل میں چلتے چلتے اسے بہت دیر ہو چکی تھی اور رات بھی ہو گئی تھی۔ اس نے جنگل میں دریا کے کنارے ایک غار میں پناہ لی۔ اس نے اپنے سونے کے لیے

جب غار کا ایک حصّہ صاف کیا تو وہاں اسے ایک بہت پرانا نقشہ ملا۔ شانی نے جب غور سے نقشے کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ خزانے کا نقشہ ہے۔

شانی ایک باعزم اور نڈر لڑکا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر قیمت پر خزانہ تلاش کر کے رہے گا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے درختوں سے توڑ کر کچھ پھل کھائے اور خزانے کی تلاش میں نکل پڑا۔ وہ جنگل جنگل پھرتا رہا۔ اس نے ہمّت نہ ہاری۔ شانی مسلسل چلنے کی وجہ سے تھک چکا تھا اور کسی سایہ دار درخت کی تلاش میں تھا۔ تھوڑی تلاش کے بعد اسے ایک گھنا اور سایہ دار درخت نظر آیا۔ جب شانی اس درخت کے نزدیک پہنچا تو اس نے دیکھا کہ درخت کا تنا کھوکھلا ہے۔ وہ جلدی سے اس کھوکھلے تنے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس نے تنے میں کوئی سخت سی چیز محسوس کی، لیکن اندھیرے کی وجہ سے چُھپا بیٹھا رہا۔

صبح ہوئی تو اس نے دیکھا کہ وہ سخت چیز ایک بہت بڑا صندوق تھا اور اس میں ایک تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ دیکھنا چاہیے کہ اس صندوق میں کیا ہے، لیکن وہ پوری کوشش کے باوجود تالا نہ توڑ سکا۔ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ وہ اسی درخت کے اوپر چڑھا اور پھل توڑ کر کھانے لگا۔ وہ پھل انتہائی کڑوا تھا، لیکن شانی نے وہ پھل زبردستی کھالیا۔ اس پھل کے کھانے سے شانی نے اپنے اندر بہت طاقت محسوس کی۔ جب وہ درخت سے نیچے اُترا تو اسے وہ صندوق یاد آیا۔ اب اس نے اپنی پوری طاقت سے تالا توڑنے کی کوشش کی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد تالا ٹوٹ گیا۔ جب شانی نے صندوق کھولا تو اس کی خوشی کے مارے چیخ نکل گئی، کیوں کہ صندوق ہیروں اور موتیوں سے بھرا پڑا تھا۔ اس نے صندوق سَر پر اُٹھا لیا۔ شانی وہ صندوق لے کر اپنے گاؤں پہنچا۔ اسے دیکھ کر سب بہت خوش ہوئے۔ خالہ کے بچّے اپنی حرکت پر بہت نادم تھے، لیکن شانی بہت اچھا لڑکا تھا۔ اس نے سب کو معاف کر دیا اور سب مل جُل کر رہنے لگے۔

ایک چھوٹی بچّی

مرسلہ: غلام احمد، کراچی

سیّدہ کیسی پیاری بچّی ہے

صورت اچھی سمجھ بھی اچھی ہے

ذرا دیکھو تو اس کی صورت کو

کوئی چینی کی جیسے مورت ہو

ہے ابھی دو برس کی خیر سے جان

پَر سب اچھے بُرے کی ہے پہچان

ہے ادب سے بڑوں کا لیتی نام

سب کو کرتی ہے ہاتھ اُٹھا کے سلام

وہ کسی بات پر مچلتی نہیں

اپنی عادت کبھی بدلتی نہیں

آرزو تو بہت ہے بولنے کی
پر نہیں اُٹھتی ہے زبان ابھی
نہیں منہ سے نکلتے پورے بول
بولتی ہے سدا ادھورے بول
نئے آتے ہیں گھر میں جب مہماں
دیکھ دیکھ اُن کو ہوتی ہے خنداں
عمر اُس کی خدا دراز کرے
علم سے اس کو سرفراز کرے

ہمدردی اور محنت

رؤف اسلم آرائیں، ڈگری

شاہد ایک غریب ماں باپ کا بیٹا تھا۔ اسے پڑھنے لکھنے کا تو بہت شوق تھا، لیکن اس کے والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے اُس نے صرف پانچ جماعت تک ہی پڑھ کر پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ شاہد کو پڑھائی چھوڑنے کا بہت غم تھا۔ ایک روز شام کے وقت وہ اپنے گھر کی طرف آرہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ سڑک پر کسی شخص کے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ شاہد وہ آواز سُن کر فوراً اس طرف بھاگتا ہے۔ شاہد نے جب پاس جاکر دیکھا تو وہ شخص ان کے گاؤں کا چودھری تھا جو نہایت رحم دل اور سخی تھا۔ وہ بُری طرح سے خون میں لَت پَت تھا۔ شاہد جلدی سے بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آیا۔ پانی پینے کے تھوڑی دیر بعد جب گاؤں کے چودھری کو ہوش آیا تو اس نے شاہد کو بتایا کہ اسے ایک بے پرواہ ٹیکسی ڈرائیور نے ٹکر مار کر زخمی کر دیا۔ شاہد چودھری کو سہارا دے کر اپنے گھر لے آیا۔

شاہد اور اس کی ماں نے چودھری صاحب کی مرہم پٹّی کی۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد چودھری صاحب چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ چودھری صاحب نے شاہد اور اس کی ماں کی اپنے ساتھ اتنی ہمدردی دیکھ کر شاہد کو اپنا بیٹا اور اس کی ماں کو اپنی بہن بنا لیا اور انھیں اپنے ساتھ اپنی حویلی میں لے گئے۔

شاہد اور اس کی ماں اب حویلی میں رہنے لگے۔ شاہد کو اب دوبارہ چودھری صاحب نے ایک اچھے اسکول میں داخل کروادیا۔ اب شاہد بھی خوب دِل لگا کر محنت سے پڑھنے لگا۔ ایک دن اس کی یہ محنت رنگ لائی۔ اور وہ شاہد سے ڈاکٹر شاہد بن گیا۔

انعام

رحمن اللہ خاں بہرام، ٹنڈو محمد خاں

عرب اور اسرائیل کی جنگ کے دوران ایک عرب اسرائیل کے ایک ٹینک پر قبضہ کر کے اپنے علاقے میں لے آیا۔ اس کے کارنامے پر خوش ہو کر اسے ایک ہفتے کی چھٹی اور انعام کے طور پر کچھ رقم دی گئی۔

اگلے ہفتے واپس آکر اس نے پھر ٹینک پر قبضہ کر کے اپنے علاقے میں لانے کا کارنامہ انجام دیا اور

ایک بار پھر ایک ہفتے کی چھٹی اور انعام کا حق دار ٹھیرا۔ جب کئی ہفتے اس عرب کو یہی کارنامہ انجام دیتے ہوئے گزر گئے تو کمانڈنگ آفیسر دریافت کیے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ ہر ہفتے ایک اسرائیلی ٹینک اڑانے میں کس طرح کام یاب ہو جاتا ہے؟

عرب نے کہا، "میں ہر ہفتے اپنے ٹینک پر سوار ہو کر اسرائیلی علاقے میں جاتا ہوں۔ پھر جب اسرائیلی ٹینک نظر آتا ہے تو میں اپنے ٹینک سے اُترتا ہوں اور اسرائیلی ٹینک میں بیٹھے ہوئے سپاہی سے کہتا ہوں، کیوں دوست، ایک ہفتے کی چھٹی اور انعام حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اور تب وہ میرے ٹینک پر قبضہ کر لیتا ہے اور میں اس کا ٹینک تھیا لیتا ہوں۔"

توبہ

سیدہ عابدہ عنبرین زہرا جعفری

سلمان یوں تو بہت اچھا اور ذہین لڑکا ہے۔ پڑھائی میں بھی ہوشیار اور کھیل میں بھی، مگر ایک عیب اس میں بہت بڑا تھا۔ وہ یہ کہ وہ اسکول سے آنے کے بعد یونیفارم تبدیل نہیں کرتا تھا اور ہوم ورک کرنے کے بعد بستے کی ساری کتابیں میز پر بے ترتیبی سے چھوڑ کر اُٹھ جاتا، امی اور باجی تمام کتابیں سمیٹیں اور سلمان کے بستے میں ترتیب سے رکھتیں۔ تمام گھر والے اس کی اس بُری عادت سے پریشان تھے۔ کئی دفعہ امی اور باجی نے ڈانٹا، پیار سے بھی سمجھایا، مگر سلمان پر ڈانٹ اور نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ایک دن باجی نے ایک ترکیب سوچی اور سلمان کی انگریزی کی کتاب چھپا دی۔ جب صبح ہوئی تو سلمان اسکول جانے کے لیے تیار ہوا۔ باجی نے کتابیں چیک کیں تو انگریزی کی کتاب غائب تھی۔ سلمان بہت پریشان ہوا۔ گھر کے ہر فرد سے پوچھا، مگر سب نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ اب سلمان اس بات پر بضد تھا کہ کتاب ملے گی تو اسکول جاؤں گا، ورنہ نہیں، کیوں کہ انگریزی کی ٹیچر بہت سخت تھیں۔ باجی نے اسے کسی نہ کسی طرح اسکول بھیج دیا۔

جب انگریزی کا گھنٹہ شروع ہوا تو مس نے سب بچّوں سے کہا کہ اپنی اپنی کتابیں نکالیں، صرف سلمان کی کتاب نہیں تھی، مس نے پوچھا تو سلمان کوئی جواب نہ دے سکا۔ نتیجے کے طور پر سلمان کو سزا ملی اور انھیں پورے گھنٹے بینچ پر کلاس میں کھڑا رہنا پڑا۔ گھر آ کر انھوں نے یہ واقعہ اپنی امی کو سُنایا۔ امی کمرے میں گئیں اور انھوں نے کتاب لا کر سلمان کو دے دی اور کہا کہ باجی نے تمھیں سبق دینے کے لیے یہ کتاب چُھپائی تھی۔ وعدہ کرو اب اسکول سے آنے کے بعد اچھے بچّوں کی طرح اپنا یونیفارم تبدیل کرو گے اور اپنی کتابیں سلیقے سے رکھو گے۔ سلمان نے وعدہ کر لیا اور پھر اسے کبھی سزا نہیں ملی۔

روشنی

مرسلہ: سید محمد علی، لانڈھی

علم کی روشنی کے نشاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

اپنی پلکوں پہ نیندیں سجاتے نہیں
اپنے ہاتھوں کی شمعیں بجھاتے نہیں
توڑ دیتے ہیں زنجیرِ خوابِ گراں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

اِن کی ہمت سے ڈرتے ہیں طوفان تک
پھیل جاتے ہیں شہروں سے میدان تک
جاکے دیتے ہیں صحرا بہ صحرا اذاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

جذبۂ بیکراں عام کرتے ہیں وہ
جلتے شعلوں پہ آرام کرتے ہیں وہ
گاڑ دیتے ہیں وہ عظمتوں کے نشاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

حوصلہ اِن کا غم سے نہیں ٹوٹتا
ان کے ہاتھوں سے سورج نہیں چھوٹتا
آگے بڑھتے ہیں وہ مثلِ سیلِ رواں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

اتفاق میں برکت

سید ابوالحسنات، کراچی

کسی جنگل میں بہت سے جانور رہتے تھے۔ جن میں درندے بھی تھے، پرندے بھی اور چرندے بھی، ان جانوروں میں تین موٹے تازے بیل بھی تھے۔ یہ بیل آپس میں بہت محبت اور اتفاق سے رہتے تھے۔ ہر وقت اکھٹے رہتے۔ ایک ساتھ چرنے نکلتے اور ایک ہی وقت میں آرام کرتے۔ جنگل کی سیر بھی ایک ساتھ کرتے۔ ان کا اتفاق اور اتحاد دیکھ کر کسی جنگلی درندے کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ اُن پر حملہ کرے۔ سب جانتے تھے کہ اگر ایک پر حملہ کیا تو دوسرے دونوں اپنی جان پر کھیل کر اس کی جان بچالیں گے اور میری موت آجائے گی۔

جنگل کا بادشاہ شیر ان بیلوں کو دیکھتا تو اس کے منھ میں پانی بھر آتا، لیکن ان کے اتفاق و اتحاد کو دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ شیر دن رات اسی تاک میں رہتا کہ اُن میں سے کوئی اکیلا اُسے مِل جائے، لیکن بیلوں نے کسی درندے کو کبھی ایسا موقع نہ دیا۔ اب شیر کی آتشِ شوق بھڑک اٹھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان تینوں بیلوں کو کھا کر ہی دَم لے گا۔

شیر جانتا تھا کہ جنگل کے جانوروں میں لومڑی ہی سب سے زیادہ فریبی ہے اور یہ کام وہی کرسکتی ہے لہٰذا اس نے لومڑی کو بُلایا اور اس سے کہا کہ "جس طرح بھی ہو اپنے مکروفریب سے ان بیلوں میں پھوٹ ڈال دو۔" لومڑی نے کہا، "عالی جاہ، صرف چند روز انتظار کیجیے اور کنیز کی کارگزاری دیکھیے۔ شیر

کا اشارہ پاتے ہی لومڑی نے کچھ ایسی لگائی بجھائی کی اور ایک دوسرے کے خلاف اس طرح بھڑکایا کہ فوراً ہی تینوں بیل ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ یہ سنہری موقع دیکھ کر شیر نے ایک ایک کرکے تینوں کو شکار کر لیا۔ اور مزے لے لے کر کھاتا رہا۔ بچا کُچا گوشت لومڑی کو ملتا رہا۔

ہمارا جھنڈا

مرسلہ: عالیہ جبیں، کراچی

جھنڈا کتنا پیارا ہے
اس پر چاند ستارا ہے
امن کا یہ گہوارہ ہے
یہ آنکھوں کا تارا ہے
اپنے وطن کی جان ہے یہ
اپنے وطن کی شان ہے یہ
اس کا حسین نظارہ ہے
اپنا جھنڈا پیارا ہے

معراج صاحب سے انٹرویو

محمد اطہر شمیم خواجہ، کراچی

آج کل سردیوں کی چھٹیاں ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے کہ ہم کیا کریں ہمیں خیال آیا کہ کیوں نہ ہم بھی ادیبوں کے انٹرویو لینا شروع کر دیں چناں چہ اس سلسلے میں ہمارے ذہن میں سب سے پہلے ہمارے آپ کے جانے پہچانے ادیب جناب معراج کا نام آیا۔ چناں چہ ہم نے اُن سے ملاقات کا ٹائم لیا اور یوں وقتِ مقررہ پر ہم اُن سے انٹرویو کے لیے ان کے گھر پہنچ گئے۔ معراج صاحب کے صاحب زادے ندیم صاحب نے دروازہ کھولا اور بڑے اخلاق سے اندر لاکر بٹھایا، پھر خود ہی انٹرویو کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کا پروگرام غالباً یہ تھا کہ والد صاحب کے آنے سے قبل وہ اپنا انٹرویو دے ڈالیں، مگر ندیم صاحب کا پروگرام بیچ میں رہ گیا اس لیے کہ فوراً ہی معراج صاحب تشریف لے آئے۔ "السلام علیکم"۔ انھوں نے آتے ہی سلام کیا اور یوں سلام میں پہل کرنے کی ہمیں حسرت ہی رہ گئی۔ ان سے جو سوال جواب ہوئے وہ حاضرِ خدمت ہیں۔

سوال: آپ کا اصلی نام معراج ہی ہے یا کچھ اور؟

معراج صاحب: میرا اصلی نام تو معراج نہیں ہے بلکہ محمد عارف خواجہ ہے۔ معراج میرا ادبی نام ہے۔

سوال: ہمدرد نونہال میں کہانیاں لکھنے کے علاوہ آپ اور کیا کرتے ہیں؟

معراج صاحب: میں ایک مقامی کالج میں حساب کا (جس میں ہمارے نونہال بہت تیز ہوتے ہیں) استاد ہوں۔

سوال: آپ کی پہلی کہانی کون سی تھی اور کب شائع ہوئی؟

معراج صاحب: اب تو میاں یاد نہیں ہے۔ البتہ

اتنا یاد ہے کہ سب سے پہلے زیادہ مقبول "خرگوش کے کارنامے" ہوئی۔

سوال: اس پر تو شاید آپ کی کوئی کتاب بھی آ چکی ہے؟

معراج صاحب: جی میاں "خرگوش کے کارنامے" کے نام سے ہمدرد اکیڈمی نے کتاب شائع کی ہے۔

سوال: اب کوئی اور بھی کتاب آپ لکھ رہے ہیں؟

معراج صاحب: جی ہاں، میں نے چند کتابیں لکھی ہیں جو جلد ہی شائع کرانے کا ارادہ ہے۔

سوال: معراج صاحب، آپ کے مشہور سلسلے کون کون سے ہیں؟

معراج صاحب: چالاک خرگوش کے کارنامے، چالاک خرگوش کی واپسی، ایک مسافر سات سفر، ڈاکٹر واجبی ربالو کے کارنامے۔ اس کے علاوہ مزید کئی اور۔

سوال: آپ کے مشہور کردار۔

معراج صاحب: چالاک خرگوش، حکیم بربروس، ربالو، ڈاکٹر واجبی وغیرہ وغیرہ۔

سوال: معراج صاحب، آپ کالج میں پڑھانے اور ہمدرد نونہال میں کہانیاں لکھنے کے علاوہ فالتو وقت میں کیا کرتے ہیں؟

معراج صاحب: اوّل تو فالتو وقت بچتا ہی نہیں، مگر جب وقت ملتا ہے تو میں "اپنے نونہالوں" (انھوں نے اپنے بچّوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) کو پڑھانے لگ جاتا ہوں۔

سوال: ہم آپ کا کافی وقت ضائع کر چکے ہیں لہٰذا اب اجازت دیجیے، مگر جاتے ہوئے یہ بتا دیجیے کہ ہمارے دوستوں کے لیے آپ کیا پیغام دیں گے؟

معراج صاحب: میں اپنے نونہالوں کے لیے علامّہ اقبال کا یہ شعر تحفتہً پیش کروں گا اور ان کو مشورہ دوں گا کہ ماں باپ کی خدمت اور اطاعت کریں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

سائنسی ترقی اور اردو

احمد افضال، کراچی

خاص نمبر کی "پہلی بات" میں آپ نے مسلمانوں میں علوم و فنون کی ترقی کے فقدان کی جانب توجہ دلائی تھی اس سلسلے میں، میں یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ کہیں ہماری سائنسی ترقی میں رکاوٹ انگریزی زبان تو نہیں ہے؟ میرا خیال ہے کہ نوجوانوں میں سیکھنے، سمجھنے، سوچنے، آگے بڑھنے اور ترقی کی منزلیں طے کرنے کی جو خداداد صلاحیتیں اور قوتیں ہوتی ہیں، ان میں سے نصف ایک اجنبی زبان سیکھنے میں ضائع ہو جاتی ہیں اور بقیہ نصف صلاحیتوں سے وہ کوئی بڑا کام نہیں کر پاتے۔ اگر غور سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی غیر زبان میں موجود علوم سیکھنے کے لیے وہ زبان سیکھنا ہمیشہ مفید نہیں ہوتا بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اُن علوم کو ہم اپنی اُس زبان میں منتقل کریں جو ہماری اکثریت آسانی سے سمجھتی ہو۔ اس سلسلے

میں دنیا کے بیش تر ترقی یافتہ ممالک کی مثال دی جا سکتی ہے، مثلاً جاپان، اٹلی، جرمنی، فرانس وغیرہ۔ ان ممالک میں ذریعۂ تعلیم یقیناً انگریزی نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مادری زبانوں میں تعلیم پاتے اور انھیں زبانوں میں تحقیق کے دَر کھُلتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جاپان والے جاپانی میں اور فرانس والے فرانسیسی میں پڑھ کر ترقی کر سکتے ہیں تو اہلِ پاکستان اردو میں سائنسی علوم و فنون کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے ہاں غیر ملکی معلومات کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے تھا اُس میں بے حد سُستی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم آزادی کے چھتیس برس بعد بھی جدید انکشافات اور ایجادات سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنے کے لیے ایک ایسی زبان کے محتاج ہیں جسے ہماری اکثر آبادی نہیں سمجھتی۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ مغربی ماہرینِ علوم اسلامی نظریے کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا اُن کی لکھی ہوئی کتابیں ہمارے ہاں بھانت بھانت کے "ازم" ہی نہیں مایوسی اور بے چینی بھی پھیلانے کا سبب بن رہی ہیں۔ اس صورتِ حال میں کرنے کا اصل کام صرف یہی نہیں ہے کہ فوراً سے پیش تر مغربی علوم کو اردو کا جامہ پہنایا جائے بلکہ یہ بھی ضروری اور لازمی ہے کہ ان علوم کے نظریاتی، فکری اور فلسفیانہ پہلو کو اسلامی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ کیا جائے۔ یہ کام مشکل بھی ہے اور طویل بھی لیکن ہمارے ملک میں ایسے عُلما کی کمی نہیں جو یہ کام کرنے کی پوری پوری صلاحیتیں رکھتے ہوں۔ کیا میں محترم حکیم محمد سعید صاحب کی خدمت میں یہ مشورہ پیش کر سکتا ہوں کہ وہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے ذریعے سے اِس اہم قومی خدمت کے لیے پیش رفت فرمائیں۔

قائدِ اعظمؒ کے دو نکتے

محمد فہیم حاجی عبد اللہ، کراچی

قائدِ اعظم محمد علی جناح جس زمانے میں گورنر جنرل ہاؤس کراچی میں قیام پذیر تھے، کبھی کبھی سیر کے لیے ملیر تک جاتے تھے۔ کوئی خصوصی انتظام نہ تھا۔ صرف اپنے اے ڈی سی گُل حسن اور ڈرائیور کے ہمراہ ہوتے۔ ایک دفعہ جا رہے تھے کہ راستے کا پھاٹک بند ہو گیا۔ چناں چہ گاڑی ریلوے پھاٹک کے قریب رُک گئی۔ یہ دیکھ کر گل حسن اترے اور پھاٹک والے سے کہا "اگر ریل دُور ہے تو پھاٹک کھول دو۔ کار میں قائدِ اعظم تشریف فرما ہیں۔" اُس نے کہا "اچھا! میں کھول رہا ہوں، ٹرین ابھی دُور ہے۔" یہ کہہ کر پھاٹک کھول دیا۔ گل حسن گاڑی میں بیٹھے اور ڈرائیور سے کہا "عزیز چلو۔" ڈرائیور بولا "مگر صاحب کا حکم ہے کہ گاڑی نہیں چلے گی۔" اسی لمحے قائدِ اعظم نے کہا، "گل! اس آدمی سے کہو کہ پھاٹک بند کر دے!" گل حسن پھر اُترے اور اُس سے کہا "پھاٹک بند کر دو!" آدمی بولا "صاحب! کوئی حرج نہیں! ٹرین دُور

ہے، آپ گاڑی نکال کر لے جائیں۔" مگر انھوں نے کہا، "ٹھیک ہے، مگر خیریت اسی میں ہے۔" پھاٹک والے نے حیران ہو کر بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد ٹرین گزری پھاٹک کھلا تب کہیں جا کر گاڑی آگے بڑھی۔

کچھ ہی دیر بعد کیپٹن گل حسن سے قائدِ اعظم نے کہا، "تمھیں معلوم ہے کہ میں نے پھاٹک بند کرنے کے لیے کیوں کہا؟" گل حسن نے لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمایا، "دیکھو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر میں اپنی ہی ہدایات و احکام پر عمل نہ کروں تو پھر دوسروں سے یہ توقع کیسے رکھ سکوں گا کہ وہ میری ہدایات و احکام پر عمل کریں، جب کہ میں ملک کا سربراہ بھی ہوں۔"

ایک بار قائدِ اعظم دہلی میں تھے کہ عید آئی۔ قائدِ اعظم نے عید کی نماز دہلی کی مشہور جامع مسجد میں ادا کی۔ مسجد میں ہزاروں کا مجمع تھا۔ جب لوگوں نے پہچانا تو لوگوں میں بڑا جوش و خروش پھیل گیا۔ نعروں سے فضا گونجنے لگی۔ اتنے میں دہلی کے ایک سربرآوردہ لیگی لیڈر آئے اور کہا، "جناب عید مبارک!" قائدِ اعظم نے جواباً کہا،

"آپ کو بھی عید مبارک، لیکن معاف کیجیے گا میں آپ سے گلے نہ مل سکوں گا، کیوں کہ یہاں سب مسلمان برابر ہیں۔ اگر میں آپ سے گلے ملوں تو میرا اخلاقی فرض ہے کہ میں فرداً فرداً سب سے معانقہ کروں جو میرے لیے ممکن نہیں، اس لیے محفوظ راستہ یہی ہے کہ کسی سے معانقہ نہ کروں۔ اُمید ہے کہ بُرا نہیں مانیں گے۔"

سردی آئی

مرسلہ: محمد اسلم قریشی، ٹنڈو الہ یار

دُھند سی دیکھو ہر سو چھائی   سردی آئی سردی آئی
سرد ہوا کے جھونکے آئے
منھ کے سارے دانت بجائے
سب ہیں اپنا جسم چھپائے
کون ہٹائے گرم رضائی   سردی آئی سردی آئی
سُست ہوئی دریا کی روانی
جاڑے کی یہ ریت پُرانی
برف ہوا جاتا ہے پانی
ٹھنڈی ہوا پیغام یہ لائی   سردی آئی سردی آئی
وہ کتراتا سورج نکلا
رنگ ہے اس کا پیلا پیلا
دھوپ گئی اور پھیلا سایا
تاریکی دنیا پر چھائی   سردی آئی سردی آئی

بچت کی اہمیت

اعجاز احمد بری، بہاول پور

لفظ بچت، فرد، قوم اور ملک کے لیے اپنی افادیت کے لحاظ سے بھرپور اہمیت کا حامل ہے۔ کوئی بھی فرد اس وقت تک اپنی روز مرّہ زندگی کے معاملات خوبی سے پورے نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنی آمدنی اور خرچ میں اعتدال کے پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بچت کی صورت

اختیار نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ اخراجات میں زیادتی نہ صرف اس کے انفرادی سکون کو سلب کرے گا بلکہ اُس کی ترقی کی رفتار بھی متاثر ہو گی۔ اس صورت میں اجتماعی تنزّل کا اندیشہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ "ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ" تو پھر ہمیں یہ بھی باور کرانا پڑے گا کہ ہر فرد بچت کی ضرورت و اہمیت سے روشناس ہو کر اجتماعی طور پر بھی قوم و ملک کی ترقی و بہتری کا سامان پیدا کر سکتا ہے۔

ہمارا ملک پاکستان ایک نوزائیدہ اور ترقی پذیر ملک ہے۔ ہمیں نہ صرف اس کی نظریاتی حدود کو برقرار رکھنا ہے، بلکہ اسے معاشی اعتبار سے بھی اس قدر مضبوط اور مستحکم بنانے کی کوشش کرنی ہے کہ ہمارا ملک اپنے ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنا کر اقوامِ عالم میں ایک ممتاز اور قابلِ قدر مقام حاصل کر سکے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب افرادِ قوم بچت کے وسیع تر فائدوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتماعی ضرورتوں کو مدِنظر رکھ کر ملک کی ترقی میں حصّہ لیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا ملک صنعت و حرفت اور زراعت و تعلیم کے میدان میں اس قدر مضبوط ہو کہ اندرونِ ملک افرادِ قوم کو پُرسکون زندگی گزارنے کے مواقع میسّر آئیں اور ملک دوسری اقوام میں بلند مقام حاصل کر سکے۔ نیز ہمارے ملک کو دفاعی لحاظ سے بھی اس قدر مضبوط ہونا چاہیے کہ دشمنانِ ملک کو اپنے ناپاک مقاصد کی تکمیل کا موقع نہ مل سکے۔ اس لیے ہمیں اپنے ملک کی ان ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے مالی تعاون فراہم کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس کے لیے ہمیں بچت کی اہمیت کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔ اس مقصدِ عظیم کے لیے ہمیں درویشانہ انداز اختیار کرنا ہو گا۔

عِلم کے موتی

فاخرہ منیر نرجس، لودھراں

عِلم ایک ایسا سمندر ہے جس میں چھلانگ لگانے اور غوطہ کھانے کے بعد ہی اس کی وسعت اور گہرائی کا سچّا اور صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ جو لوگ سمندر کے کنارے پر کھڑے ہوں، اُن کو عِلم کے موتی تلاش کرنے والے کی نہ مشکل کا اندازہ ہو سکتا ہے اور نہ ہمت اور لگن کا۔ ایک بار جب کوئی عِلم حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے تو اُس پر اپنی جہالت کے پہلو واضح ہونے لگتے ہیں۔ جہالت یقیناً بُرائی ہے۔ تاریکی ہے۔ جب جہالت کا صحیح احساس ہو جائے تو یہ احساس ہی وہ روشنی ہے جو انسان کو عِلم کی انتہا کی طرف لے جاتی ہے۔

علّامہ سید سلیمان ندوی

کامران احمد نعمانی، کراچی

علّامہ سید سلیمان ندوی ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک اعلا پائے کے بزرگ اور عالم تھے۔ مورّخ، محقق سوانح نگار اور ادیب کی حیثیت سے آپ کا مرتبہ بہت

بلند ہے۔ آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سیرت نگار کی حیثیت سے بڑی عزت حاصل ہوئی۔ آپ کا تعلق بہار کے ایک قصبے دیسنہ سے تھا۔ آپ نے لکھنؤ کی مشہور درس گاہ ندوۃ العلما میں تعلیم حاصل کی تھی۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے کچھ دن معلّمی کے فرائض انجام دیے۔ اس کے بعد آپ مولانا شبلی کے ادارے دار المصنفین سے وابستہ رہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کا طرزِ تحریر سادہ، دل کش اور عالمانہ ہے۔ آپ کی نثر سلیس اور پُرکشش ہوتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی تصانیف میں سیرت النبیؐ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ آپ کی دوسری تصانیف یہ ہیں:۔

امام مالک، رحمتِ عالمؐ، عربوں کی جہاز رانی، خیام، نقوشِ سلیمانی، خطباتِ مدراس، یادِ رفتگاں، سیرت عائشہؓ، ارض القرآن۔

میری تمنا

مرسلہ، نوشین صائمہ، کراچی

بچانا خدایا بُرے کام سے
نوازے نہ کوئی بُرے نام سے

مجھے تو شرافت کا پُتلا بنا
جو راہِ حقیقت ہے مجھ کو دکھا

بُرائی کا رستہ نہ دکھلا مجھے
بھلائی کا رستہ بتانا مجھے

میں تیری عبادت ہی کرتا رہوں
تجھی سے ہمیشہ میں ڈرتا رہوں

غریبوں، یتیموں کے کام آؤں میں
بہت نیک سا بچہ کہلاؤں میں

وطن کی محبت ہو مجھ کو عطا
خدایا مجھے نیک لڑکا بنا

چیونٹی کی آپ بیتی

صفیہ ہادی، کراچی

میں ایک چیونٹی ہوں، ایک مجبور اور بے بس جانور۔ جب میں چھوٹی تھی تو میری امی میرا بڑا خیال رکھتی تھیں، لیکن جب میں ذرا بڑی ہوئی تو وہ دوسرے بچوں کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ مجبوراً مجھے اپنی خوراک تلاش کرنے کے لیے اپنے چھوٹے سے گھر سے باہر نکلنا پڑا۔ باہر تو ایک عجیب ہی دنیا تھی۔ یہ شاید کسی انسان کا خاندان تھا، جہاں ہر وقت بڑے بڑے اور بھاری بھاری انسان چلتے رہتے تھے۔ مجھے ان سے بڑا ڈر لگتا تھا کہ کہیں ان کے پیروں میں نہ آجاؤں، لیکن انھیں تو اس بات کا کوئی احساس ہی نہ تھا۔ بغیر دیکھے چلتے چلے جاتے تھے۔ چُنوں میاں سے تو مجھے بڑا ہی ڈر لگتا تھا۔ وہ ہر وقت اِدھر سے اُدھر بھاگتے تھے۔ ان کے پیروں کے نیچے میری کتنی ہی سہیلیاں آچکی تھیں، لیکن ان کی چیخ کوئی نہیں سُن سکا تھا۔ پھر میں اس گھر سے باہر نکل آئی۔ یہاں تو اس سے بھی زیادہ خطرہ تھا۔ بڑی بڑی سڑکوں

پر گول گول سے پہیے والی چیزیں دوڑتی پھر رہی تھیں۔
مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے سڑک پار کی اور ایک دُکان میں پہنچ گئی۔ یہ ایک اناج کی دُکان تھی، جہاں بڑی بڑی بوریاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں ایک دال کی بوری میں گھس گئی اور بڑے مزے سے دال کھانے لگی۔ ابھی مجھے دال کھاتے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دُکان دار میری طرف بڑھا اور دال سمیت تھیلی میں بند کر کے گاہک کو دے دیا۔ وہ مجھے لے کر اپنے گھر آ گیا، پھر گاہک کی امّی نے تھیلی کھولی اور ایک تھالی میں دال نکال کر بیننے لگیں، ان کی نظر مجھ پر بھی پڑ گئی اور انھوں نے مجھے اُٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ ہائے! انھیں ذرا بھی ترس نہ آیا مجھ پر۔ نیچے صحن میں ان کے چوزے دانہ چُگ رہے تھے۔ ایک چوزا میری طرف بڑھا اور شاید اب وہ مجھے کھانے آ رہا ہے۔ میری زندگی کے آخری لمحات قریب آ گئے۔ اب اس نے مجھے چونچ میں اُٹھا لیا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔

خاص نمبر - اعداد و شمار

شاہ جہاں علی شاہی، کراچی

ہمدرد نونہال کا خاص نمبر ایک عظیم الشان نمبر تھا۔ خاص نمبر کل ۳۰۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ نونہالوں کی دل چسپی کے لیے اس خاص نمبر کے اعداد و شمار شائع کیے جا رہے ہیں۔

- "پہلی بات" دو صفحات پر مشتمل تھی۔
- ۷۶ "اقوالِ زریں" شائع ہوئے۔
- مضامین کی تعداد ۱۲ تھی۔
- دو سفر ناموں سے انتخاب شائع کیا گیا۔
- طویل کہانیاں ۷ تھیں۔ ان میں بلا عنوان کہانی اور قسط وار کہانی "عارف پہ کیا گزری" بھی شامل ہے۔
- جناب میرزا ادیب کا ایک مکمل ناول "پہاڑ کی چوٹی پر" بھی شائع کیا گیا۔
- کُل ایک سو تصویریں اور خاکے شائع ہوئے ان میں "نونہال مصور" کے ۲۵ خاکے بھی شامل ہیں۔
- جناب مشتاق کے بنائے ہوئے چھے کارٹون شائع کیے گئے۔
- "اس شمارے کے مشکل الفاظ" میں اس مرتبہ ۲۵ الفاظ کے معنی وغیرہ بتائے گئے تھے۔
- "تحفے" اس کالم میں اس مرتبہ ۱۶ مسکراتے جملے، عظیم اقوال، انوکھے نکتے اور دل چسپ تحریریں شامل کی گئیں۔
- نظموں کی تعداد چھے رہی۔
- "نونہال ادیب" میں ۲۳ نونہالوں کی دل چسپ تحریریں، کہانیاں، نظمیں اور دیگر مراسلات شائع کیے گئے۔
- "ہنسو بچّو ہنسو" اس کالم میں ۱۹ نونہالوں کے ارسال کردہ ۲۷ لطیفے شامل تھے۔
- "اخبارِ نونہال" میں ۶ خبریں شائع ہوئیں۔

● کل ۵۹ تصاویر شائع کی گئیں جن میں ۱۴ صحت مند نونہال اور ۳۰ تصاویر ماہ جولائی ۱۹۸۳ء کے معلومات عامہ ۲۰۷ کے سوالات کے دس صحیح جوابات ارسال کرنے والوں کی تھیں۔

● معلومات عامہ ۲۰۷ کے سوالات کے دس صحیح جوابات بھیجنے والے ۷۰ اور ۹ صحیح جوابات ارسال کرنے والے ۵۳ نونہالوں کے نام شائع کیے گئے۔

● "بزم نونہال" جی ہاں! اس بزم میں اس مرتبہ ۳۴ نونہالوں کے خطوط سے اقتباسات شائع ہوئے ان میں سے گیارہ خطوط کے جوابات دیے گئے۔

● ملک کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے خطوط میں سے اس مرتبہ ۱۱۳ نونہالوں کے خطوط کی رسیدیں ان کے نام شائع کرکے دی گئیں۔

● معلوماتِ عامہ ۲۰۹ میں ۳۰ سوالات دیے گئے اور ان کے بالترتیب تمام، ۲۵، ۲۰ اور ۱۵ صحیح جوابات ارسال کرنے والوں کے لیے معقول انعامات بھی رکھے گئے۔

● بشمول سرورق کے ۴۹ صفحات رنگین تھے۔

● "ہمدرد انسائیکلوپیڈیا" میں ۱۵ سوالات و جوابات شائع ہوئے۔

● "طب کی روشنی میں" میں ۹ سوالات کے جوابات دیے گئے۔

● اس کے علاوہ شمارے میں ۱۲۳ اشتہارات تھے۔

ربر کا سانپ

عالیہ صلاح الدین، کراچی

چھٹی کا دن تھا۔ ہم اپنے کمرے میں بیٹھے بوریت محسوس کر رہے تھے کہ ہمارے ماہر نفسیات دماغ نے مشورہ دیا کہ کوئی شرارت کی جائے۔ اب سوچنا یہ تھا کہ کون سی شرارت کی جائے، کہ اچانک ہماری کھوپڑی میں ایک شرارت سما گئی اور ہم اُچھل کر زمین پر گر پڑے۔

ہم اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنی الماری کی دراز میں سے ربر کا سانپ نکالا جو ہماری پیاری سہیلی نے ہمیں تحفے کے طور پر دیا تھا۔ ہم ربر کے سانپ کو لے کر کچن کی جانب چل پڑے۔ پہلے تو ہم نے کچن کا معائنہ کیا۔ اندر ہماری ماسی کام کرنے میں معروف تھی۔ ہم نے اپنی شرارت کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا، یعنی ہم نے کچن کے دروازے کے پیچھے کھڑے ہو کر دروازے کے اوپر سے ربر کے سانپ کو کچن کے اندر اُچھال دیا اور چپکے سے اُس کمرے میں جا بیٹھے جہاں سب گھر والے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

ابھی مشکل سے تھوڑی دیر گزری تھی کہ کچن میں سے ایک دل خراج چیخ اور ساتھ ہی برتن ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دیں۔ ہم تو سمجھ ہی گئے کہ یہ ربر کے سانپ کی برکت ہے۔ دکھاوے کے لیے ہم بھی گھر والوں کے ساتھ کچن کی طرف بھاگے۔

"کیا ہوا؟" کچن کے قریب پہنچ کر سب گھر والوں نے ایک زبان ہو کر پوچھا۔

"سس ..... س ..... سانپ" ماسی نے انگلی کے اشارے سے بتایا۔ سب نے اُس کی انگلی کے اشارے کی سمت دیکھا اور سہم گئے۔

پھر بھائی جان نے ہمت کر کے پاس پڑا ہوا ڈنڈا اُس کے سَر پر دے مارا، لیکن اُس پر کوئی اثر نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ بھائی جان نے دو تین مرتبہ ایسا کیا، مگر سب کچھ بے سود ثابت ہوا۔

اب تو ہماری سٹّی گم ہو گئی۔ ابھی ہم وہاں سے نو دو گیارہ ہونے کا سوچ ہی رہے تھے کہ بھائی جان کی گرج دار آواز سنائی دی، "عالیہ، یہ تمھاری شرارت ہے!" ہم نے اپنی سوچوں سے نکل کر بھائی جان کی طرف دیکھا جو اب ربر کا سانپ لیے کھڑے تھے۔

"نن ..... نہیں تو" ہم نے اپنی جان بچانے کی خاطر جھوٹ کا سہارا لیا۔

"تو پھر یہ کیا ہے؟" بھائی جان نے سانپ کا ایک حصّہ دِکھاتے ہوئے پوچھا۔ جس پر موٹے موٹے حروف میں لکھا تھا:

"عالیہ کے لیے"

"عالیہ اب تمھاری سزا ....."

ابھی امّی ہمیں سزا سُنا ہی رہی تھیں کہ کسی نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ امّی ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولنے گئیں۔ ہم نے دیکھا کہ کچھ مہمان آ گئے ہیں۔ اس طرح ہماری جان بچ گئی۔

اے ارضِ وطن

مرسلہ: طیب رشید، لاہور

اے ارضِ وطن تیرے پرستار رہیں گے
ہم تیری محبّت میں گرفتار رہیں گے

ہر رنگ میں ہر حال میں ہم تیرے لیے ہیں
اُٹھتے ہوئے اپنے یہ قدم تیرے لیے ہیں
دشمن کے لیے راہ کی دیوار رہیں گے
بیدار تھے بیدار ہیں بیدار رہیں گے

سورج کی طرح ہم بھی ضیا بار رہیں گے
اے ارضِ وطن تیرے پرستار رہیں گے

دولت کا نشہ

شعیب ربانی شاہین، دینہ

گرمیوں کے دن تھے، شازیہ اور رفیق کے ابّو پندرہ دن کی چھٹّیاں لے کر گھر آئے۔ رات کو وہ گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ستارے آسمان پر جگ مگ چمک رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے گرمی کا اثر کم ہو گیا تھا۔ باتوں باتوں میں بچّوں نے ابّو سے کہانی سنانے کو کہا۔

ابّو نے کہا، "اچھا ایک کہانی سنو:

یہ اُن دِنوں کی بات ہے جب ہمارے گھر کا خرچ بڑی مشکل سے پورا ہوتا تھا۔ کاربار کرنے کا خیال تھا،

مگر میرے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ کوئی کام شروع کر سکتا۔ انھی دنوں میرا ایک عزیز دوست نعمان بیرونِ ملک سے آیا تھا، چناں چہ میں اس کے پاس گیا۔ اس نے مجھے خالی نہ لوٹایا اور مجھے دس ہزار رُپے بہ طور قرض دے دیے۔ میں نے نعمان اور اس کے والد کا شکریہ ادا کیا اور واپس آ گیا۔

میں نے اس رقم سے کپڑے کا کاروبار شروع کیا جو جلد ہی بہت وسیع ہو گیا۔ میرے پاس دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ میرا شمار شہر کے چوٹی کے امیروں میں ہونے لگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں لالچی اور خود غرض ہوتا گیا۔ دولت کا نشہ میری رگ رگ میں رچ بس گیا اور میں دن رات دولت کے پیچھے بھاگتا رہتا۔

اِدھر نعمان اڑھائی سال بعد پھر اپنے وطن واپس آیا۔ اس کی ماں اس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی خوشیاں دیکھنا چاہتی تھی۔ چناں چہ اس کی شادی کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ اب ان لوگوں کو رقم کی ضرورت تھی۔ چناں چہ نعمان میرے پاس آیا۔ رقم طلب کی، مگر میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں نے اس سے قرض نہیں لیا۔

نعمان جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ چناں چہ اس نے عدالت میں مقدمہ درج کرا دیا۔ مجھے عدالت میں بُلایا گیا۔ میں نے قاضی سے تین دن کی مہلت مانگی تاکہ میں اپنے حق میں گواہ پیش کر سکوں۔

مجھے عدالت سے مہلت مل گئی۔ میں نے اپنے حق میں تین گواہ تیار کر لیے اور مقدمہ ہار جانے کے ڈر سے قاضی کو ایک ہزار رُپیہ دیا تاکہ وہ میرے حق میں فیصلہ کر دے۔

تین دن بعد پھر ہم عدالت میں حاضر ہوئے۔ میرے حق میں تین گواہوں نے شہادت دی اور نعمان نے اپنے والد اور دو دوستوں کو بُلایا جو چشم دید گواہ تھے۔ دونوں طرف کے گواہوں کے بیان سننے کے بعد قاضی نے جہاں زیب نعمان کے حق میں فیصلہ سُنا دیا۔ مجھے اس وقت بڑی حیرت ہوئی۔ پھر قاضی نے مجھے مخاطب کر کے کہا، "تم نے اپنے حق میں تو تین گواہ پیش کیے، مگر اپنے خلاف ایک ہزار....." میں سمجھ گیا کہ قاضی نے نعمان کے حق میں کیوں فیصلہ دیا ہے، کیوں کہ قاضی انصاف پسند تھا۔

مجھ پر جھوٹ بولنے اور رشوت دینے پر دو ہزار رُپے جرمانہ ہوا اور میں نے نعمان کی رقم واپس کر دی۔

رفیق جو اتنی دیر خاموشی سے سنتا رہا تھا اب بول پڑا، "اس طرح تو آپ کو اس رقم کے ساتھ دو ہزار رُپے جُرمانہ اور گواہوں کو بھی رقم دینا پڑی۔"

"ہاں بیٹا! اگر میں ایمان داری سے نعمان کو اس کی رقم لوٹا دیتا تو مجھے اس قدر نقصان نہ اُٹھانا پڑتا۔" ابّو نے کہا۔

"اور ابّو شہر بھر میں رسوائی بھی نہ ہوتی!" یہ

شازیہ نے کہا۔

"ہاں، اس کے بعد بیٹا میں نعمان کی شادی والے دن اس کے لیے ایک قیمتی تحفہ لے کر گیا، لیکن اس نے مجھے دیکھ کر منھ پھیر لیا۔ جب میں نے اس سے کہا کہ میں معافی مانگنے آیا ہوں تو اس نے خلافِ توقع مجھے معاف کر دیا اور میں تمام لوگوں کے سامنے ایک بار پھر شرمندہ ہو گیا۔"

"ابّو آپ نے بہت اچھا کیا۔" رفیق بولا۔

"پھر میں نے اپنی کوٹھی بیچ ڈالی اور ایک چھوٹا مکان خرید لیا۔"

رفیق نے ابّو کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا، "وہ کیوں؟"

اور ابّو نے جواب دیا، "تاکہ میں شان دار کوٹھی کو دیکھ کر مغرور نہ ہو سکوں، پھر میں نے اپنے وطن کی خدمت کے لیے فوج میں ملازمت کر لی۔ اور بیٹا، اب میں تمھارے سامنے ہوں ایک شریف انسان اور فوجی کی حیثیت سے۔"

یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

ہمّتِ مرداں مددِ خدا

کامران عالم، کراچی

دانش کو پائلٹ بننے کا شوق جنون کی حد تک تھا، مگر چوں کہ وہ ایک غریب ماں باپ کا بیٹا تھا اس لیے اس کو اپنا یہ خواب پورا ہوتا نظر نہیں آتا تھا، مگر دانش تھا بہت ہمّت والا لڑکا۔ اس نے جب اپنے ابّو سے کہا کہ اس کا اسکول میں داخلہ کرا دیں تو اس کے ابّو نے اسے سمجھایا کہ دیکھو ہم لوگ غریب ہیں، تعلیم کا خرچ کیسے پورا ہو گا۔ ویسے ہی دال روٹی مشکل سے چلتی ہے، مگر دانش نے مسلسل ضد برقرار رکھی۔ اس نے اپنے ابّو کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ موٹر مکینک کا کام سیکھنا شروع کر دے۔ اس کی ضد اور شوق کو دیکھتے ہوئے اس کے باپ نے اس کو پڑھانے کا فیصلہ کیا اور تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے گھر پر تھیلی بنانے کا کام شروع کر دیا۔ دانش کے ابّو دن بھر فیکٹری میں کام کرنے کے بعد شام کو گھر آتے تو کاغذ کی تھیلی بنانے کا کام شروع کر دیتے۔ دانش بھی ان کی مدد کرتا۔

اس طرح انھوں نے دانش کا اسکول میں داخلہ کرا دیا اور اس کو یونیفارم بھی لے دیا۔ ان کے پاس زیادہ پیسے تو تھے نہیں اس لیے انھوں نے صرف ایک یونیفارم ہی دانش کو لے کر دیا۔

اسکول میں کچھ شریر لڑکوں نے دانش کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ دانش کا مذاق اُڑاتے اور اس کو تنگ کرتے۔ دانش کو ان لڑکوں کی وجہ سے اسکول سے خوف آنے لگا اور وہ ایک دن اسکول جاتا اور چار دن کے لیے اسکول سے گول ہو جاتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ششماہی امتحان میں فیل ہو گیا۔ جب وہ رپورٹ کارڈ

ہاتھ میں لیے اپنی جگہ بیٹھا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ اس کو تعلیم چھوڑ دینی چاہیے، کیوں کہ وہ غریب ہے، مگر اسی وقت اتفاق سے ایک جہاز اسکول کے اوپر سے گزرا تو اس کی آواز سُن کر دانش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

دانش کو روتا دیکھ کر ماسٹر صاحب کے دل میں خیال آیا کہ شاید فیل ہونے کی وجہ سے رو رہا ہے۔ انھوں نے حوصلہ بڑھانے کے لیے اس کو اپنے پاس بُلایا اور اس سے اس کے رونے کا سبب پوچھا تو دانش اور زیادہ رونے لگا۔ ماسٹر صاحب اس کو کلاس سے باہر لے گئے۔ جب ماسٹر صاحب نے اس سے رونے کا سبب جاننے کے لیے بہت اصرار کیا تو اس نے ماسٹر صاحب کو سچ سچ بتا دیا کہ اس کو لڑکے تنگ کرتے ہیں اور مارتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ دل برداشتہ ہو کر پڑھائی چھوڑنے کا فیصلہ کر رہا ہے، مگر چوں کہ اس کو پائلٹ بننے کا شوق جنون کی حد تک ہے اس لیے پڑھائی چھوڑتے ہوئے اس کو دکھ ہو رہا ہے۔

ماسٹر صاحب کو اس پر بہت رحم آیا۔ انھوں نے دانش کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے دانش سے کہا، "دیکھو تم اگر ہمت سے کام لو تو سالانہ امتحان میں پاس ہو سکتے ہو۔ تمھارے اخراجات کا مسئلہ اگر تم ایمان داری سے کام کرنے کا وعدہ کرو تو میں ایک جاننے والے ہاکر سے کہہ کر تم کو اخبار دِلا دوں گا۔ تم صبح صبح تمام اخبار لوگوں کے گھروں میں ڈال کر اسکول آجانا اور جس ٹائم تم تھیلی بنانے کا کام کرتے ہو اس وقت میرے پاس آجانا میں تم کو اپنے بچّوں کے ساتھ پڑھا دوں گا۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب نے دانش کو نصیحت کی کہ بیٹا، ہمیشہ اس نصیحت پر عمل کرنا کہ "ہمّتِ مرداں مددِ خدا۔" دانش نے ماسٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اس طرح دانش نے خوب محنت کرنا شروع کر دی، مگر وہ اپنی تمام معروفیات کے باوجود نماز پابندی سے پڑھتا تھا۔

اس طرح وقت پَر لگا کر اُڑتا رہا۔ جس دن دانش کا میٹرک کا نتیجہ نکلا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ وہ اے گریڈ میں آیا تھا۔ اس کے ماں باپ خوشی سے پھُولے نہیں سماتے تھے۔

نتیجہ نکلنے کے بعد اس نے ایئر فورس میں شامل ہونے کے لیے درخواست دی۔ اس کا ٹیسٹ ہوا، پھر اس کو انٹرویو کے لیے بُلایا گیا۔ آخرکار اس کو منتخب کر لیا گیا۔

آج اس کو اپنی محنت کا صِلہ مل گیا۔ جب اس کی ٹریننگ شروع ہوئی اور وہ جہاز پر چڑھنے لگا تو اس کے کان میں ماسٹر صاحب کے یہ الفاظ گونج رہے تھے:

"ہمّتِ مرداں مددِ خدا"

ولی عہد کی سفارش بھی نہ مانی

منشی امیر احمد مینائی اردو کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ ریاض خیر آبادی اور حافظ جلیل حسن جلیل جیسے مشہور شاعر اُن کے شاگرد تھے۔ امیر مینائی ریاست رام پور میں دیوانی عدالت کے مفتی (جج) تھے۔ نواب یوسف علی خاں ریاست کے حاکم اور اُن کے بیٹے کلب علی خاں ولی عہد تھے۔ ایک دفعہ ولی عہد نے ایک مقدمے میں اپنے باورچی کی سفارش کہلا بھیجی۔ امیر مینائی بڑے شریف اور انصاف پسند آدمی تھے۔ انھوں نے سفارش کو نظر انداز کرتے ہوئے مقدمے کا فیصلہ باورچی کے خلاف دیا۔ ولی عہد ناراض ہوئے۔ اتفاق سے اس واقعے کے کچھ مدّت بعد ولی عہد ریاست کے نواب بن گئے۔ امیر مینائی نے احتیاطاً ریاست سے اپنی روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نواب صاحب کو خبر ہوئی تو انھیں بُلوایا اور پوچھا، "سُنا ہے آپ روانگی کی تیاریاں کر رہے ہیں؟" منشی صاحب نے عرض کیا، "ممکن ہے آپ مجھے رکھنا نہ پسند کریں، اس لیے ایسا کیا ہے۔" نواب صاحب نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے اس وقت وہ بات ناگوار گزری تھی، لیکن آج مجھ سے زیادہ آپ کا قدر شناس اور کوئی نہیں۔ آپ نے انصاف کے معاملے میں جب میرا اثر نہ مانا تو آپ یقیناً کسی اور کا بھی لحاظ نہ کریں گے۔ آپ خاطر جمع رکھیے، میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ چناں چہ منشی صاحب نے دل جمعی سے اپنا کام جاری رکھا۔

قید میں بھی اپنا وقت ضائع نہ کیا

اُمیہ بن عبد العزیز اَندلُس (اسپین) کے ایک عالم تھے۔ ۴۸۹ھ (۱۰۹۵ء) میں وہ اسکندریہ (مصر) آئے۔ کسی سبب سے حاکمِ مصر نے انھیں قید کر دیا۔ برسوں قید میں گزارے، لیکن اپنے وقت کا ایک لمحہ تک ضائع نہ کیا۔ قید کے زمانے میں انھوں نے علمِ ہیئت کی کتابیں "عمل بالاُصطرلاب" اور "الوجیز"، طِب کی کتاب "کتاب الادویۃ المفردۃ"، منطق کی کتاب "تقویم الذہن" اور فلسفے کی کتاب "کتاب الانتصار" جیسی کتابیں لکھ ڈالیں۔ سولہ سال کے بعد قید سے چھوٹے تو جلاوطن کر دیے گئے۔ اپنی باقی عمر انھوں نے مراکش میں گزاری۔ انسان وقت کی قدر کرے تو بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔

خط ہی خط

* مہینے کی آخری تاریخوں میں دل اُداس سا رہتا ہے، لیکن جونہی نئے مہینے کا نونہال ملتا ہے دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ لطیفے کچھ پرانے تھے۔ کیا نونہال مہینے میں دو مرتبہ یعنی ماہانہ کے بجائے پندرہ روزہ نہیں ہو سکتا؟ ضرور بتائیں۔

محمد اصغر ندیم، اوکاڑہ

> دوسرے نونہال اس سوال کا جواب دیں۔

* کہانیوں میں جناب مہروز اقبال کی عارف پہ کیا گزری، جناب مسعود احمد برکاتی کی اَن دیکھی رو، جناب معراج کی الحمرا کا خزانہ، جناب میرزا ادیب کا ایک بوڑھا ہرن اور شیر، جناب عبدالغنی شمسی کی نظم چمن کو چلیے اور جناب حکیم محمد سعید کی جاگو جگاؤ اور جناب علی ناصر زیدی کی ہمدرد انسائکلوپیڈیا بھی اچھی تھیں۔

عابد جاوید

* کہانی کا سلسلہ عارف پہ کیا گزری بہت اچھی جا رہی ہے۔ کہانی الحمرا کا خزانہ کا تو جواب ہی نہیں۔ سیما حبیب میمن، سکھر

* حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ الیاس احمد مجیبی کا مضمون خاص طور پر پسند آیا۔ کہانیوں میں سب سے اچھی الحمرا کا خزانہ تھی۔ عارف پہ کیا گزری بہت اچھی جا رہی ہے۔ نونہال ادیب میں ناہید افشاں کراچی کی نظم "مرغی" اردو کی تیسری کتاب سے نقل شدہ تھی۔

بشیر احمد، اٹک

> اب ناہید افشاں، کراچی کی کوئی چیز ایک سال تک شائع نہیں ہوگی۔

* جاگو جگاؤ ایک سبق آموز سلسلہ ہے۔ گنوار، الحمرا کا خزانہ، بوڑھا ہرن اور شیر، تحفے میں شیبہ خورشید کا تحفہ اور نونہال ادیب میں آنسہ سردار اعوان کی کہانی پسند آئی۔ دو مسافر دو ملک ایک اچھا سلسلہ ہے کیا یہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے اگر ہاں تو کہاں ملے گا۔

مریم سعدیہ عباسی، کراچی

> دو مسافر دو ملک ابھی تو کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا، جب پورا ہو جائے گا تو شائع کر دیں گے۔

* میں آپ کا رسالہ ہمدرد نونہال ہر ماہ پڑھتا ہوں۔ اصل بات پوچھیں تو یہ رسالہ مجھے پھول کی طرح پیارا لگتا ہے۔

محمد اختر ملک

* اس ماہ کی کاوشوں میں جاگو جگاؤ، حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ، دو مسافر دو ملک، اَن دیکھی رَو کے بعد گنوار، الحمرا کا خزانہ اور ایک بوڑھا ہرن اور شیر بہت پسند آئے۔ ہمدرد انسائکلوپیڈیا میں جو جوابات دیے جاتے ہیں ان کا طریقہ بدل دیں، کیوں کہ جوابات اتنے مختصر دیے جاتے ہیں کہ اس سے بات سمجھ میں نہیں آتی۔ برائے مہربانی مجھے لفظ "الہام" کے لغوی معانی بتائیں۔ اس کے علاوہ لفظ "صلیب" (جو عیسائیوں کا مذہبی نشان ہے) کے بھی لغوی معانی بتا دیں۔

محمد پرویز عالم رضا، سکھر

> اِلہام کے معنی ہیں خدا کی طرف سے دل میں کوئی بات کوئی خیال آنا۔
>
> صلیب کے معنی ہیں "سُولی"۔ فارسی لفظ چلیپا ہے۔ اس سے عربی لفظ "صلیب" بنا لیا گیا ہے۔ اس کی شکل ایسی ہوتی ہے ✝ ۔ اسی لیے انگریزی میں اس کو کراس (CROSS) کہتے ہیں۔ ہمارے عیسائی بھائی اس نشان کو حضرت عیسیٰؑ کی یاد میں گردن میں لٹکاتے ہیں۔ گرجا کے اوپر بھی لگاتے ہیں اور عیسائی بادشاہ بھی اپنے تاج پر لگاتے ہیں۔

* الحمرا کا خزانہ، ایک بوڑھا ہرن اور شیر، کارٹون، نونہال ادیب اور نظم چمن کو چلیے، سیریز عارف پہ کیا گزری بے حد پسند آئی۔ آپ میری طرف سے جناب مہروز اقبال کو مبارک باد دے دیجیے۔ محمد منور نصیر نے نعت پانچویں جماعت کی اردو کتاب سے نقل کی تھی۔

شمیم، کراچی

> محمد منور نصیر ایک سال تک ہمدرد نونہال میں کوئی چیز نہ بھیجیں۔

* لطیفے اور کہانیاں بہت اچھی تھیں۔

شازیہ لطیف، کراچی

* میں نونہال کی بہت پرانی قاری ہوں۔ اس وقت میرے پاس تقریباً ۸۵ نونہال موجود ہیں اور مجھے یہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ طب کی روشنی میں ایک سوال بھیج رہی ہوں جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ نام نامعلوم، میاں چنوں

* رسالہ بے حد پسند آیا۔ شبینہ خورشید، کراچی

* ہمدرد نونہال کا سرورق دیکھتے ہی ہمارے منھ سے واہ نکلی۔ اتنی شان دار تصویر ٹائٹل پر بنانے پر میری طرف سے آرٹسٹ صاحب کو مبارک باد۔ ظہور احمد موڑا منڈی، چھتروہ

* دسمبر ۱۹۸۳ء کا ہمدرد نونہال رعنائیوں و شادابیوں سمیت ہماری مضبوط گرفت میں قید ہو گیا۔ ٹائیٹل دیکھ کر ہم اتنے مسرور ہوئے کہ خوشی کو اگر لفظوں میں پرو کر آپ کو پیش کریں تو آپ ایک وقت کی چائے چھوڑ دیں۔ جس محبت اور لگن سے آپ نے اس ماہ کا نونہال سجایا اس کے لیے بہت شکریہ۔ ایک بوڑھا ہرن اور شیر، الحمرا کا خزانہ، دو مسافر دو ملک بے حد خوب صورت کاوشیں تھیں۔ مہربانی کرکے دو مسافر دو ملک جلدی سے کتابی صورت میں شائع کر دیں۔ بڑی بے چینی ہے۔ خدا آپ کو اس سے زیادہ پیاری پیاری تحریریں لکھنے کی ہمت عطا فرمائے۔ شبانہ صدیق، روہڑی

* جاگو جگاؤ، حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ، گنوار، الحمرا کا خزانہ اور دو مسافر دو ملک بہت پسند آیا۔ قسط وار کہانی عارف پہ کیا گزری اچھی چل رہی ہے۔ سید علی اسد، اسلام آباد

* اگر آپ باقاعدگی سے ہر ماہ ایک سلسلہ وار سائنسی کہانی بھی شائع کر دیا کریں تو اس سے ہم سب کا سائنسی ذوق بہت پروان چڑھے گا۔ لفظ تفویض کا تلفظ اور معنی کیا ہیں؟

محمد سلیم بسمل، کراچی

تَفْوِیض کا تلفظ تَف وِیض ہے۔ ت پر زبر، ف ساکن، و کے نیچے زیر، ض ساکن۔ معنی ہیں کسی کے سپرد کرنا۔

* ہمدرد نونہال کا معیار دن بہ دن اعلا ہوتا جا رہا ہے۔ جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ کہانیوں میں الحمرا کا خزانہ بہترین تھی۔ "دو مسافر دو ملک" میں جناب مسعود احمد برکاتی جس طرح ہماری معلومات میں اضافہ کر رہے ہیں وہ بیان سے باہر ہے۔ سعدیہ سراج، کراچی

* حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ حسبِ معمول اچھا تھا۔ جناب میرزا ادیب کی کہانی تو رسالے کی جان تھی۔ صحت مند نونہال میں نونہالوں کی تصاویر کے ساتھ ان کے بھیجے گئے مشاغل اور پتے شائع کیا کریں۔ مہرب نواز، سرگودھا

ہم چاہتے ہیں کہ نونہالوں کو شہرت کی چاٹ نہ لگے بلکہ وہ پہلے اپنی معلومات بڑھائیں۔

* دسمبر کا سرورق بہت ہی خوب صورت تھا۔ جاگو جگاؤ، حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ، رسالے کی جان تھے۔ خیال کے پھول اور تحفے رسالے کا دل تھے۔ گنوار، عارف پہ کیا گزری، دو مسافر دو ملک اس کے ہیرے تھے۔ نونہال ادیب میں بچے کیا ہیں، چھوٹا مصور، حُبِ وطن اس کے موتی تھے۔

بشیر احمد عاصمی، ملتان شہر

* اس دفعہ سب سے اچھا جاگو جگاؤ تھا۔ کہانیوں میں الحمرا کا خزانہ سبق آموز تحریر تھی، مگر اس کے شروع میں ایک لفظ بلّور کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ مشکل الفاظ میں دیکھا اس میں بھی ندارد۔ آخر لغت کا سہارا لینا پڑا۔ دو مسافر دو ملک میں صفحہ ۶۰ پر ۸ ویں لائن میں دھوپ کی جگہ دُوب لکھا ہوا تھا۔ عارف پہ کیا گزری لمبی اور بور ہوتی جا رہی ہے۔ مہروز اقبال صاحب پتا نہیں کیا بتانا چاہتے ہیں۔

محمد جاوید شفیع، کراچی

جی نہیں، یہ لفظ دُوب ہی ہے جس کے معنی گھاس ہیں۔

* ہمدرد نونہال واقعی ایک قیمتی، اچھا اور باسبق رسالہ ہے۔ اس رسالے سے پاکستان کے ہر بچے کو فائدہ اور سبق حاصل کرنا چاہیے۔ میں نے آج تک ایسا مفید، سچا اور باوقار رسالہ نہ دیکھا نہ پڑھا۔ میں تو کہتا ہوں اتنا اچھا رسالہ نکالنے والے کو نوبل پرائز ملنا چاہیے۔ ہمیشہ کی طرح جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ پھر حضور کے اخلاقِ حسنہ پڑھا سبق آموز خلاصہ تھا۔ کارٹون بہت اچھے رہے۔ کیا مجھے جولائی، اگست ۱۹۸۳ء کے دو شمارے مل سکتے ہیں؟ تنویر علی لغاری، حیدرآباد، سندھ

افسوس کہ پچھلے شمارے ختم ہو گئے۔ ہر مہینے جلدی سے ہمدرد نونہال خرید لیا کریں اور حفاظت سے رکھا کریں۔

* نونہال پڑھا بہت اچھا لگا۔ اس میں الحمرا کا خزانہ بہت اچھی تھی اور لطیفے سارے بکواس تھے۔ محمد انور قریشی، کراچی

* ہمدرد نونہال رسالہ بہت ہی اچھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کے نمبر نکالا کریں۔ مثلاً: جنوری: سال نامہ، اپریل: اقبال نمبر۔ ستمبر: قائد اعظم نمبر، نومبر: اقبال نمبر، سال نامہ کی قیمت ۸ رُپے۔ صفحات: ۳۰۰ تقریباً۔ باقی نمبروں کی قیمت ۶، ۷ رُپے صفحات: ۲۲۴ تقریباً میرا خیال ہے کہ میری اس تجویز کو آپ اور باقی اچھے دوست پسند کریں گے۔
محمد ریاض انصاری، سلاف آباد

* ہمارا نونہال روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ میں اور میری چھوٹی بہن ہر ماہ کا شمارہ ضرور پڑھتے ہیں۔ ۱۱ر دسمبر کا اخبارِ جنگ پڑھا جس کی ایک ہیڈنگ یہ تھی کہ "پانچ ممتاز شخصیتوں نے انسانی حقوق ایوارڈ ۸۳ء حاصل کر لیا" ان شخصیات میں حکیم صاحب کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور ہم خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ ہماری طرف سے جناب حکیم محمد سعید صاحب کو مبارک باد پہنچائیں۔ دسمبر کے ہمدرد نونہال میں کہانی گنوار بہت پسند آئی اور تحفے کا صفحہ بھی لاجواب تھا۔ سرورق بھی بہت اچھا تھا۔
فرحانہ رحمٰن، فرح رحمٰن، کراچی

* واقعی ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ خاص شمارہ ہوتا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ "پیامی" رسالہ ہمیں کہاں سے مل سکتا ہے؟
عائشہ عنبرین، کراچی

> پیامی بُک اسٹالوں سے بھی مل سکتا ہے اور ہمدرد فاؤنڈیشن ناظم آباد ۳ سے بھی۔

* ہمدرد نونہال ملا۔ ہمیشہ کی طرح اپنی مثال آپ تھا سرورق رسالے کی زینت تھا۔ لطیفے بھی پسند آئے کارٹون بھی اچھے تھے۔ ویسے تو اس کے تمام سلسلے اچھے تھے۔ تحفے مجھے بہت پسند ہیں۔
سہیل احمد ثاقب، بشیر آباد

* دسمبر ۸۳ء کا نونہال زیادہ پسند نہیں آیا۔ کہانیاں خاص نہ تھیں۔ البتہ "حضورؐ کے اخلاق حسنہ" پڑھا بہت پسند آیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے مشورے پر غور کر کے عارف پہ کیا گزری کی پچھلی قسطوں کا خلاصہ دینا شروع کر دیا، جس سے نئے پڑھنے والوں کو آسانی ہو گئی ہوگی میرا ایک مشورہ ہے کہ آپ معلوماتِ عامہ کے لیے انعام کے طور پر ایک معلوماتی کتاب دیا کریں۔ راحت صلاح الدین، کراچی

> آپ کا یہ مشورہ بہت مہنگا ہے۔

* میرا پسندیدہ کالم جاگو جگاؤ ہے اور مجھے کہانی عارف پہ کیا گزری اچھی لگتی ہے۔ نظمیں بھی بہت اچھی تھیں۔ محمد امین، کامونکے

* دسمبر کا چمکتا دمکتا ہمدرد نونہال ملا۔ ایک رات میں ہی ختم کر ڈالا۔ رسالے کے صفحے آگے سے کم ہوتے جا رہے ہیں کیا بات ہے؟
مرزا محمد ظفر اقبال، فیصل آباد

> تعجب ہے۔ ہم تو ہر مہینے ۱۱۲ صفحات ہی چھاپتے ہیں کہیں راستے سے کوئی باذوق چور کچھ صفحے آپ کے رسالے سے نکال تو نہیں لیتا؟

* کہانیوں میں جناب مناظر صدیقی کی کہانی گنوار، جناب میرزا ادیب کی کہانی ایک بوڑھا ہرن اور شیر، اور جناب معراج کی کہانی "الحمرا کا خزانہ" بہترین کہانیاں تھیں۔ عترت رعنا، حیدر آباد

* سب سے پہلے تو محترم حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ اس مرتبہ تصویریں بھی بہت اچھی تھیں۔ ورنہ پہلے تو تصویریں کم کارٹون زیادہ ہوتے تھے۔ کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کا مضمون اُن دیکھی زد بہت پسند آیا۔ حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ بہت ہی اچھا مضمون تھا برکاتی صاحب کے مضمون "دو مسافر دو ملک" کے ذریعے سے ہم گھر بیٹھے لندن اور پیرس کی سیر کرتے ہیں۔ محمد اسحاق، ڈگری

* سرورق نہایت ہی خوب صورت ہوتا ہے، کہانیاں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ لیکن سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری بہت ہی زیادہ پسند ہے۔ اس کے علاوہ جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول بہت پسند ہیں۔ ماہ رخ حبیب، ٹھٹھہ

* اس ماہ کا نونہال ملا۔ پڑھ کر دل بہت خوش ہوا، مگر ساتھ یہ بھی افسوس ہوا کہ جاوید الرحمٰن کی کہانی "بس اغوا نہ ہو سکی" ایک رسالے میں سے نقل کی گئی ہے۔ مجھے نونہال ۲، ۷۹ء کے نومبر اور دسمبر کے رسالے چاہییں۔ احمر کاشف، کراچی

> جاوید نے نقل تو نہیں کی، مگر صبر بھی نہیں کیا اور دوسرے رسالے میں چھپنے کو بھیج دی۔ افسوس کہ پچھلے برسوں کے رسالے نہیں مل سکتے۔

* میں نے دسمبر کا شمارہ پڑھا اور پڑھ کر کافی متاثر ہوا۔ اتنے اچھے شمارے پر میری طرف سے آپ سب کو مبارک باد۔
ذوالفقار آزاد، شادی پلی

* اگر میں دستکاری میں کچھ بھیجوں تو کیا آپ اُسے شائع کر دیں گے؟ فہیم عباسی، کراچی

بھیج دیجیے۔ دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

* دسمبر کا نونہال مجموعی طور پر اچھا تھا۔ الیاس احمد مجیبی صاحب کا مضمون "حضور کے اخلاق حسنہ" بہت پسند آیا۔ صفحہ نمبر ۱۲ پر اقوالِ زریں لکھے تھے ان میں سے ایک تھا حسد سے بچو، یہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے مکڑی کو آگ، لیکن یہاں پر لکڑی کو آگ ہونا چاہیے تھا۔ لڑکیوں کے لیے ہر ماہ رسالے میں ایک صفحہ بھی ہونا چاہیے۔

راشدہ منصورہ، نواب شاہ

آپ کا خیال صحیح ہے مکڑی غلط چھپ گیا ہے، لکڑی ہونا چاہیے تھا۔ لڑکیوں کے لیے کالم میں کیا کیا ہونا چاہیے، پڑھنے والی لڑکیاں مشورہ دیں تاکہ صحیح فیصلہ کر سکیں۔

* دسمبر کا ہمدرد نونہال اپنی سوچ سے بڑھ کر پایا۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ قسط وار ناول "عارف پہ کیا گزری" کی کل کتنی قسطیں ہیں؟ سید شمشاد علی حیدر، ساہی وال

اب چند قسطیں باقی ہیں۔

* نونہال کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے۔ نونہال میں پہلے سلسلے وار ناول "نیل کے بچے" اور اب "عارف پہ کیا گزری" بہت عمدہ ہیں۔ علی اسد صاحب کی کہانیاں نہایت معیاری اور دل چسپ ہوتی ہیں۔ ہمدرد نونہال میں سائنسی سلسلے کا ایک فیچر شائع کریں۔

آفاق احمد خاں، میر پور خاص

* "جاگو جگاؤ" اور "حضورؐ کے اخلاق حسنہ" پسند آئے۔ کہانیوں کی وجہ سے نونہال کا معیار گرتا جا رہا ہے۔ کوئی بھی کہانی صرف "گنوار" کے سوا اچھی نہ تھی۔ سید ظفر اقبال قادری، سید عمران، فرخ صدیقی، میہڑ، دادو

* جاگو جگاؤ جناب حکیم محمد سعید صاحب کا پسند آیا۔ سفر نامہ یعنی دو مسافر دو ملک سلسلہ پسند آیا جاری رکھا جائے۔ کہانیاں، نظمیں خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ بے حد عمدہ لکھا گیا ہے۔ دوسرے مضمون جیسے "تحفے"، عمدہ سلسلہ ہے۔ "خیال کے پھول" اور دوسرے مضامین مجھے بہت پسند آئے۔ عبدالفرید چندریگر، حیدر آباد

* دسمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیوں میں سلسلے وار کہانی "عارف پہ کیا گزری" پسند آئی۔ معراج صاحب کی کہانی الحمرا کا خزانہ پہلے بھی پڑھ چکا ہوں۔ نونہال ادیب میں ناہید افشاں صاحبہ کی نظم "مرغی" نقل شدہ تھی۔ باقی سارا رسالہ بہت اچھا تھا۔ کامران بلوچ، اوکاڑہ

* اس مرتبہ نونہال مزے دار تھا۔ صفحہ نمبر ۱۲ پر اقوالِ زریں کی لائن نمبر ۲ پر لکڑی کے بجائے مکڑی لکھا تھا۔ کیا آپ صرف اپنے دوستوں رشتے داروں کے خطوط شائع کرتے ہیں۔ پرنس افضل شاہین، بہاولنگر

ہاں بھئی، آپ سمیت سارے نونہال ہمارے دوست اور عزیز ہیں۔

* حکیم صاحب کی تحریر جاگو جگاؤ سبق آموز تھی۔ کہانیاں بھی سب ہی اچھی تھیں، مگر ایک بوڑھا ہرن اور الحمرا کا خزانہ کافی اچھی تھیں۔ عارف پہ کیا گزری بھی خوب رہی۔ آپ نے اچھا کیا جو پچھلی قسطوں کا خلاصہ بھی دے دیا۔ محمد حنیف بھٹی، سکھر

* آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ میں نونہال کو کس قدر پسند کرتا ہوں۔ میرے دوست کہتے ہیں کہ تمھاری تحریر کو وہ نونہال میں جگہ دیتے ہی نہیں ہیں تو تم کیوں بھیجتے ہو، مگر آپ فرماتے ہیں کہ پاکستانی ہر بچہ میری نظر میں پاکستانی ہے، نہ سندھی ہے اور نہ پنجابی ہے۔ مگر آپ کی ناانصافیاں کچھ اچھی نہیں لگ رہی ہیں۔ ایاز جانی میمن، نوڈیرو

ایاز میاں! آپ کا شکریہ۔ آپ کوئی اچھی سی مختصر سی کہانی لکھ کر میرے نام اس خط کے حوالے سے بھیج دیں۔

* اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے نونہال بہت پسند آئے۔ ساری کہانیاں اچھی تھیں، خاص طور پر دو مسافر دو ملک اور عارف پہ کیا گزری۔ ان دو چیزوں کا تو مجھے بہت انتظار رہتا ہے۔ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول اور حضورؐ کے اخلاق حسنہ قابلِ تعریف تھے، مگر ایک بات نوٹ کی کہ جب نونہال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا جاتا ہے تو صلی اللہ علیہ وسلم کو شاید لکھنا بھول جاتے ہیں۔ عظمیٰ عبدالحق دادا بھائی، کراچی

شاید کہیں رہ گیا ہو۔ ویسے ایک تحریر میں جب کئی بار حضورؐ کا نام نامی آئے تو ایک بار پورا "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھ کر پھر صرف ص بھی لکھا جا سکتا ہے۔

* کہانیاں بہت مزے دار تھیں۔ لطیفے چٹ پٹے تھے "عارف پہ کیا گزری" بہت ہی اچھا ہے۔ ملک عبدالواحد انجم، پپلاں

* دسمبر کا شمارہ پسند آیا۔ خاص طور سے الیاس احمد مجیبی صاحب کا مضمون "حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ" اور مناظر صدیقی صاحب کی کہانی "گنوار" بے حد پسند آئی۔ نونہال ادیب میں "بچے کیا ہیں" اور "دوست کون؟" بھی عمدہ کہانیاں تھیں۔ اگر میں اپنی کہانی بھیجوں تو کیا آپ اسے شائع کریں گے اور ہاں میں سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں، ذرا طریقِ کار کی وضاحت کر دیں۔ پرویز احمد، کراچی

کہانی اچھی ہوئی تو نمبر آنے پر شائع ہو جائے گی۔ سالانہ خریداری تیس رُپے کا منی آرڈر کر دیجیے، ویسے اچھا تو یہ ہے کہ آپ ہر مہینے اخبار والے سے خرید لیا کریں۔

* سرورق بڑا خوب صورت تھا۔ جاگو جگاؤ میں ہمدرد دوست حکیم صاحب کی باتیں بہت اچھی تھیں۔ اس میں اسوۂ حسنہ کے متعلق معلومات اور باتیں معلوم ہوئیں اور ساتھ ہی مضمون اسوۂ حسنہ دے کر آپ نے بہت اچھا کیا۔ کہانیوں میں خاص کر الحمرا کا خزانہ اور گنوار قابلِ تعریف ہیں۔ عبدالوحید انصاری، کراچی

* دسمبر کے شمارے میں تمام کہانیاں بہت بہترین تھیں۔ "عارف پہ کیا گزری"، جاگو جگاؤ اور دو مسافر دو ملک بہت اچھے سلسلے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی نونہال کا معیار بہت اچھا ہے۔
ذاکر حسین انصاری، اعجاز حسین انصاری، حیدر آباد

* اس بار ہمدرد نونہال بہت خوب صورت تھا۔ اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر جناب حکیم محمد سعید صاحب کو مبارک باد۔ کہانیوں میں ایک بوڑھا ہرن اور شیر، الحمرا کا خزانہ، گنوار، عارف پہ کیا گزری اور جناب مسعود احمد برکاتی کا دو مسافر دو ملک بہت اچھی اور سبق آموز کہانیاں تھیں۔ کیا یہ درست ہے کہ کتّے کے کاٹنے سے انسان پاگل یا کتّا بن جاتا ہے؟
شاہد محمود شیخ، شکار پور سندھ

جی ہاں، اگر کتا پاگل ہو تو انسان کے دماغ پر بھی اثر ہو سکتا ہے، اس لیے فوراً اسپتال لے جانا چاہیے۔

* دسمبر ۸۳ء کا نونہال چمکتا دمکتا، علم کی خوش بوئیں بکھیرتا عمدہ ٹائٹل کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ جاگو جگاؤ بے حد پسند آیا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خصوصاً حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ، گنوار، الحمرا کا خزانہ اور جناب مسعود احمد برکاتی کا مضمون اَن دیکھی رَو بے حد پسند آئیں۔ سلسلے وار کہانی "عارف پہ کیا گزری" اور "دو مسافر دو ملک" نے بہت متاثر کیا۔
خالد مجید مغل، کراچی

* دو مسافر دو ملک اور عارف پہ کیا گزری نہایت ہی خوب ہیں یوں سمجھیے کہ رسالے کی جان ہیں۔ مہروز اقبال صاحب اور برکاتی صاحب بہت خوب صورت لکھتے ہیں اور یہ دونوں کاوشیں اُن کے اعلا ذوق کی دلیل ہیں۔ مختصر یہ کہ رسالہ بالکل ٹھیک جا رہا ہے۔
ذکاء اللہ سیٹھی، موضع گجیانہ نو

* جناب میرزا ادیب کی کہانی ایک بوڑھا ہرن اور شیر، جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، جناب مہروز اقبال کی عارف پہ کیا گزری بہت پسند آئیں۔ لطیفے اچھے تھے۔ محمد گلزار ساقی کی نظم "ننھی چڑیا" بہت اچھی تھی۔ بشریٰ حفیظ، مانسہرہ

* اگرچہ خاص نمبر کو پڑھے ہوئے دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، مگر اب بھی اس کی تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کی منفرد بامعنی اور سبق آموز کہانیوں سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ ہر مہینے حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ سب سے بہتر ہوتا ہے، لیکن اس ماہ اگرچہ جاگو جگاؤ اپنے معیار پر تھا، لیکن اس ماہ میرے خیال میں آپ کا مضمون "اَن دیکھی رَو" پہلے نمبر پر تھا۔ اس کے علاوہ سفرنامہ "دو مسافر دو ملک" بھی نونہال کا ایک معیاری اور معلوماتی سلسلہ ہے۔ اور سلسلے وار کہانی "عارف پہ کیا گزری" بہت تیزی سے شان دار مراحل طے کر رہی ہے۔ کہانیوں میں "گنوار" اور "الحمرا کا خزانہ" اچھی کہانیاں تھیں۔ علی مرتضیٰ زیدی، کراچی

* جناب میرزا ادیب کی کہانی ایک بوڑھا ہرن اور شیر، جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، جناب مہروز اقبال کی عارف پہ کیا گزری بہت پسند آئیں۔
رانو، شانو، راجا عدنان، کہکشاں، ساہیوال

* اس دفعہ تمام کا تمام رسالہ اپنی جگہ لاجواب تھا۔ "جاگو جگاؤ" کا ہماری زندگی کو بہتر اور اُصولی بنانے میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔ دو مسافر دو ملک بہت اچھا سلسلہ ہے کب ختم ہو گا۔ جلدی ختم نہ کیجیے گا۔ ایک صفحے پر کسی اسلامی مجاہد کی زندگی کے حالات و واقعات پر روشنی ڈالی جائے۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ سوالوں کے آگے تین جوابات لکھیں تاکہ ان میں سے صحیح چُنا جاسکے۔ ظہیر حسن، لاہور

* نونہال کے مستقل سلسلے طب کی روشنی میں، دو مسافر دو ملک، عارف پہ کیا گزری، جاگو جگاؤ، تحفے، انسائکلو پیڈیا بے حد پسند ہیں اور جو چیز ناپسند ہے وہ ہیں آپ کی شائع کردہ کہانیاں۔ آپ اکثر غیر فطری کہانیاں شائع کرتے ہیں۔ مثلاً کہانیوں میں جانوروں کے منہ میں زبان دے دی جاتی ہے اور وہ انسانوں کی طرح آپس میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ہم کہیں اور ہی دنیا میں ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ جاسوسی کہانیاں شائع کریں۔
اسما تبسم نقوی، کراچی

ایسی کہانیوں میں جانور ایک علامت کے طور پر آتے ہیں جن سے تخیل کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

* نظموں میں جناب تنویر پھول کی "قائدِ اعظم کا فرمان" اور جناب عبدالغنی شمس کی "چمن کو چلیے" اچھی نظمیں تھیں۔ جناب حکیم محمد سعید کا "جاگو جگاؤ" اور جناب علی ناصر زیدی کا "انسائکلو پیڈیا" بھی اچھا رہا۔ خط کے نیچے آپ نے میرا نام "خواجہ انوار احمد، بھیرہ" کے بجائے "خواجہ انوار احمد، سرگودھا" لکھ دیا ہے۔

خواجہ انوار احمد، بھیرہ

* آپ کی یہ ہدایت پڑھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ ہر نونہال بزمِ نونہال میں تین ماہ بعد خط لکھے۔ اس طرح سب کو موقع مل جائے گا۔ دسمبر کے شمارے میں کہانی "گنوار" بالکل بور تھی۔ "بوجھو تو جانیں" سلسلہ بہت پسند آیا۔ اگر آپ اس کو مستقل طور پر جاری رکھیں تو اچھا ہے۔ جناب عبدالغنی شمس کی نظم "چمن کو چلیے" میں لفظ "بنجو" سمجھ میں نہیں آیا۔ عمر فاروق، معراج عالم صفدر، کراچی

بنجو (BANJO) ستار کی قسم کا ایک باجا ہوتا ہے۔ اس کو "بجتارا" بھی کہتے ہیں۔

* دسمبر کا نونہال بہت اچھا لگا۔ کہانیاں وغیرہ بہت پسند آئیں۔ سلسلے وار ناول "عارف پہ کیا گزری" یکسانیت کا شکار ہو گئی ہے۔ اس قسط میں اور اس سے پہلے کی کچھ اقساط تقریباً ایک جیسی ہی تھیں۔ کوئی قابلِ ذکر بات اس ناول میں شامل نہیں تھی۔ بہرحال رسالہ مجموعی طور پر اچھا تھا۔ "دو مسافر دو ملک" میں آپ نے ایک جگہ لکھا تھا کہ حکیم محمد سعید صاحب "مدینۃ الحکمت" قائم کرنے کے لیے کسی جگہ کی تلاش میں ہیں۔ میں نے ابھی شاید یکم دسمبر ۸۳ء کے روزنامہ جنگ میں پڑھا تھا کہ ہمدرد فاؤنڈیشن نے مدینۃ الحکمت قائم کرنے کے لیے کراچی میں حب کے قریب زمین حاصل کر لی ہے۔ میری طرف سے محترم حکیم صاحب کو، آپ کو اور ہمدرد فاؤنڈیشن کو بہت بہت مبارک باد اور ہم سب کی اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس مشن کو کامیاب بنائے آمین۔
عظمیٰ رؤف، کراچی

جی ہاں، الحمدللہ ۱۵ دسمبر ۸۳ء کو مدینۃ الحکمت کا سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا۔ آپ کی مبارک باد اور دعا کا بہت بہت شکریہ۔

ان نونہالوں کے نام جن کے خطوط جگہ کی کمی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکے۔

محمد اسمٰعیل، کراچی۔ محمد عمران صدیقی، اسلام آباد۔ عبدالجبار قریشی، ٹنڈو محمد خاں۔ رضوانہ عمر، کراچی۔ سید ساجد مہدی، خیر پور۔ محمد طیب، کراچی۔ بابو میاں، کراچی۔ محمد جاوید عبدالغنی، شگفتہ وجاہت، کراچی۔ گلزار احمد، شاہ پور چاکر۔ ایم یوسف نعیم، کراچی۔ محمد شریف شیراز، ملتان۔ محمد اظہر شاہ، لودھراں۔ ید ھشیر کمار، تھر پارکر۔ صادق زمان، ہری پور ہزارہ۔ عمر دراز خاں خٹک، ٹنڈو محمد خاں۔ روبینہ عظمت، قرۃ العین، شاہد رحمت جلال افغانی، کراچی۔ آمنہ عظمت، کراچی۔ سلمان احمد، حیدر آباد۔ آسیہ اقبال، کراچی۔ سید آصف مصطفےٰ النقوی، بشریٰ رؤف، فہمیدہ احمد، شکیل احمد، کراچی۔ رانا جمیل احمد انجم، گجرات۔ ساجد محمود، کراچی۔ پرکاش کمار، شہداد کوٹ۔

عابدہ نازش، نامعلوم۔ فضل کریم، ہزارہ۔ محمد عارف، نجمہ وارث علی، کراچی۔ جاوید اقبال، لاہور۔ محمد کمال، نامعلوم۔ ندیم احمد خاں نزادہ، سکرنڈ۔ خالق وحید، شہناز فاطمہ، کراچی۔ غلام فاروق لغاری بلبن، سانگھڑ۔ مرزا فیصل بیگ، ٹنڈو آدم۔ وقار علی، نفیسہ سلیم، محمد جمیل بسمل، عمران مقبول، سیدہ ثنا نقوی، محمد ایاز، کراچی

ناظمہ ارم، صائمہ رؤف، عاصمہ رؤف، کراچی۔ سید وسیم احمد شاکر، ملتان۔ فرح عزیز، اورنگ زیب علی پاشا، محمد جاوید حسین، کراچی۔ ایم سجاد اصغر، شاہدرہ۔ نوازش علی، کراچی۔ عبدالقادر میمن، حیدر آباد۔ کشور سعید لودھی، نواب شاہ۔ صلاح الدین احمد کلراں، کراچی۔

معلوماتِ عامہ ۲۱۲ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے معلوماتِ عامہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویر کیوں شائع نہیں کی گئی، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے، جن کی عمر اچھی ہو گئی ہیں یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں اُن کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام۔ معلوماتِ عامہ ۲۱۲ کے صحیح جوابات یہ ہیں۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ مکّہ نے آپ کی دیانت اور سچّائی سے متأثر ہو کر صادق اور امین کا خطاب دیا تھا۔

۲۔ قائدِ اعظم کو "اتحاد کا سفیر" کا خطاب، مشہور شخصیت مسز سروجنی نائیڈو نے دیا تھا۔

۳۔ آئس لینڈ کے دارالحکومت کا نام ریکجاوک (REYKJAVIK) ہے۔

۴۔ بناسپتی گھی کی تیاری میں ہائیڈروجن گیس استعمال ہوتی ہے۔

۵۔ شورے کا تیزاب عرب کیمیا داں جابر بن حیّان کی ایجاد ہے۔

۶۔ "سیٹو" جنوب مشرقی ایشیا کا دفاعی معاہدہ ہے۔ ۱۹۵۴ء میں فلپائن (منیلا) میں اس معاہدے پر دستخط ہوئے تھے۔

۷۔ جنگ اور اتفاقی حادثات و آفات میں زخمیوں اور مصیبت زدہ افراد کی مدد کرنے والے عالمی ادارے ریڈ کراس کے بانی کا نام ہنری ڈونینٹ ہے۔ پاکستان میں اس ادارے کو ہلالِ احمر کہتے ہیں۔

۸ ۔ "پس پردہ" میرزا ادیب کے ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ ڈراموں کے اس مجموعے کو آدم جی انعام مِل چکا ہے۔
۹ ۔ "شاہ جو رسالو" سندھ کے بزرگ شاعر شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی تصنیف ہے۔
۱۰ ۔ اولمپک کھیلوں کے پرچم میں پانچ دائرے ہوتے ہیں جو پانچ براعظموں کو ظاہر کرتے ہیں۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

رشیدہ بانو شوکت علی
غزالہ سیمیں
سید جلال اظہر علی کرمانی
عظمٰی شہاب
صلاح الدین احمد کامران
سلیم انور عباسی
ظفر عالم
فوزیہ بانو
صدف افشین
عارف عظیم
طیبہ سلطانہ
خالد مجید مغل
عمران فیروز خلجی
سید ندیم شوکت
جمیل احمد

محمد یوسف نعیم
سید نسیم شوکت اقبال
شاہ جہاں علی شاہی
شفیق انجم صدیقی
اورنگ زیب علی پاشا
شبانہ عزیز
انجم پروین
محمد ارشد
محمد شہزاد نقوی
مظہر عباس
شیراز علی
نجمہ عبد المجید
محمد عباس نقوی
شیر احمد جلال افغانی
منیر حسین
ثمینہ نوشین

شہناز فاطمہ
فرخندہ صدیقی
عبد الرحمٰن کوٹلیہ
احمد افضال
سید فیصل احمد بخاری
محمد اکرم
رحیمّو جی بھک
سید سلیم رضا
محمد عظیم
گل شیر
محمد جاوید
گوہر ولی
محمد شاہد
شمیم اختر
وسیم اختر
عاصمہ یحییٰ صدیقی

شفیق عاصم صدیقی
امین الدین
عالیہ یحییٰ صدیقی
عاصم یحییٰ صدیقی

نواب شاہ

محسن رجب علی
شبیر حسن رجب علی
مسرّت شیخ
علی اکبر امیر علی
محمد رضا امیر علی
محسن علی
افشاں امتیاز حسین
یاسین رجب علی
انیلا رجب علی
سیف الرحمٰن کلسی، شاہ پور چاکر
محمد اسحاق، ڈگری

سانگھڑ	سکھر	ملتان	
عاجز عبدالرحمٰن رند	عبدالقدیر زبیری	غلام مرتضیٰ غوری	عدنان جہانگیر شیخ، لاڑکانہ
محمد امین سیف الملوک	عارف شیخ	راشد حبیب رانا	عبدالقادر میمن، حیدرآباد
			شفاء الحسن انصاری، سکھر

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر
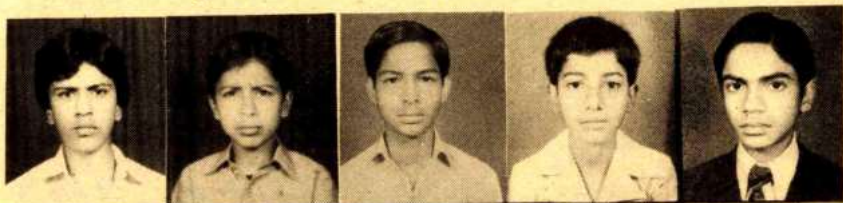
سید مظہر علی جعفری، ملتان — عبدالنبی صالح بن محمد، کراچی — سید کمال اظہر علی کرمانی، کراچی — یامین گوجر، کراچی — چوہدری یاسین، کراچی

سید کمال اظہر علی کرمانی، کراچی — سید اظہر جاوید جعفری، ملتان — محمد اعجاز آرائیں، ملتان — محمد جاوید حسین، کراچی — آفتاب احمد خاں، کراچی

محمد اختر، کراچی — مرزا سلیم بیگ، کراچی — غنی الرحمٰن قریشی، کراچی — شفیق عارف صدیقی، کراچی — مرزا حسین بیگ، کراچی

معین الرحمٰن قریشی، کراچی — نعیم الرحمٰن، کراچی — سید محمد معظم، کراچی — نعیم شیخ، کوٹڑی — سید نعیم رضا حسین، کراچی

عبداللہ انصاری، ٹنڈو آدم
شاہ محمد عمران فاروقی، کراچی
وسیم انوار، کراچی
فائق احمد ظفر، سکھر
سید حسنین حیدر، کراچی
محمد عمران، کراچی
اویس مبارک، پرانا سکھر
سید عسکری رضا، کراچی
ظہیر الدین، کراچی
محمد عارف، کراچی
اے نیّر، کراچی
محمد عامر زکریا، کراچی
احمد اویس ظفر، سکھر
محمد آصف زکریا، کراچی
سہیل حسن، کراچی
شہزاد عالم، کراچی
چوہدری محمد اشرف، کراچی
ندیم کاظمی، کراچی
محمد یامین، کراچی
شہاب الدین، کراچی
پرنس طارق عمران، کراچی
فرید الرحمن بھنڈو، کراچی
محمد جاوید نقوی، کراچی
چوہدری محمد یوسف، کراچی
ضیا رکاظمی، کراچی
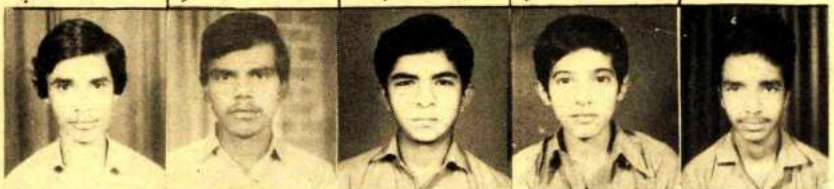
ضیاء الحق، کراچی | محمد سعید، کراچی | عابد جمال، کراچی | ریاض احمد زیدی، خیرپور میرس | رفیع شیخ، کراچی

چوہدری محمد یونس، کراچی | سید حسین عباس، کراچی | محمد نصرت عابدی، کراچی | محمد قاضی اعجاز الدین، کراچی | عامر ظفر، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

رضوان علی
سعید حسین رضوی
طارق احمد
شیر بہادر شیر زادہ افغانی
عدنان اقبال
نوازش علی
شیخ عبدالواسع
ذلیشان ملک
عبداللطیف
اختر حسین
عاصم احمد
سید اقبال احمد
سید ابرار احمد
ریحان احمد
خورشید انور
محمد سلیم بسمل
محمد جمیل بسمل
شکیل اشفاق
محمد فاروق
محمد سمیع محسن
محمد جاوید شفیع
ایم۔ آر دانش
خورشید اقبال
محمد وسیم ادریس
سید عظمت علی
محمد عارف
محمود الرحمٰن
سید عارف اقبال

خیرپور میرس

سید عابد حسین زیدی پرنس
عابدہ زیدی
سید جمیل حیدر زیدی

جیکب آباد

آصف علی سید
ہدایت علی سید

محمد منیر قریشی، سکھر
سہیل عمر چوہدری، ملتان
محمد رئیس اعظم، حیدرآباد
راجا تحسین یونس، تربیلا ٹاؤن شپ
اشتیاق احمد مغل، گوجر خاں
ثاقب صدیق، شیخوپورہ
شوکت علی راعیموں، میرپور خاص
محمد ایاز کلسی، شاہ پور چاکر
خورشید احمد لوبی، ہری پور
محمد جمیل قریشی، ڈگری
ایاز جانی میمن، نوڈیرو
شاہد محمود، فیصل آباد

فروری ۱۹۸۴

ہمدرد
نونہال

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

ہوگا دنیا میں تو بے مثال میرے بچے میرے نونہال

فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل و صورت، عادات و اطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جاسکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے۔ اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔

دور اندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام و سکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، قے و دست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔

Naunehal
Herbal Gripe Water